سچل سرمست
(تاریخ، تصوف اور شاعری)
ڈاکٹر نواز علی شوق
محکمہ ثقافت و سیاحت،
حکومت سندھ

سچل سرمست

(تاریخ، تصوف اور شاعری)

ڈاکٹر نواز علی شوق

محکمہ ثقافت و سیاحت،
حکومت سندھ

سچل سرمست کے ۱۸۸ ویں عرس
کے موقعہ پر اشاعت

اشاعت اول: ستمبر 2009ء

تعداد: ایک ہزار

ناشر: شمس جعفرانی
سیکریٹری، محکمۂ ثقافت وسیاحت، سندھ

طابع: سندھیکا اکیڈمی، کراچی

قیمت: 150 روپے

ملنے کا پتہ

بوک شاپ، محکمۂ ثقافت وسیاحت
بالمقابل، ایم پی اے ہاسٹل،
غلام حسین ہدایت اللہ روڈ، کراچی

فہرست

عنوان — صفحہ

پبلشرنوٹ

سندھی کلاسیکی شاعری تصوف کا خزانہ ہے قاضی قادن سے بیدل سندھی تک سندھ کے صوفی شعراء نے ہمیشہ حق اور سچ کی بات کی ہے کچھ نے اشاروں اورکنایوں میں تو کچھ نے ڈھکے چھپے الفاظ میں، مگر سچل سرمست نے ڈنکے کی چوٹ پر صدائے حق بلند کی۔ وہ ببانگِ بلند پکارتے رہے کہ ''مرد تو ہمیشہ سچ کہتے رہتے ہیں خواہ وہ کسی کو پسند آئے نہ آئے''۔ سندھی کلاسیکی شاعری کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس پر منصور حلاج کی شخصیت، تعلیم اور اناالحق کے نعرے کا گہرا اثر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ حلاجی فکر کا زیادہ اثر سچل سرمست کے کلام میں نظر آئیگا، کیوں کہ انہوں نے منصور کی طرح بے باکی سے حق اور سچ بیان کیا، یہی وجہ ہے کہ سندھ میں سچل کو منصور ثانی کہا جاتا ہے۔

سچل سرمست ظاہری و باطنی علوم سے آگاہ تھے، موسیقی کے ماہر تھے۔ بے خودی اور سرشاری میں اپنا کلام گاتے تھے اور ان کے مرید اور عقیدت مند وہ کلام لکھتے رہتے تھے۔ جب ان کا کلام ان کے عقیدت مند اُنہیں سناتے تھے تووہ کہتے تھے کہ ''مجھے معلوم نہیں یہ کہنے والے نے کہا ہے''

سچل سائیں نے اپنے دور کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ معاشرہ کی فرسودہ رسوم کے ذریعے انسان کی تذلیل کی جاتی تھی۔ انہوں نے انسان دشمن رسوم و رواج کے خلاف بغاوت کی اور ہمیشہ سچ کہتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اصلی نام یعنی عبدالوہاب سے زیادہ ''سچو'' اور ''سچل'' کے ناموں سے زیادہ مشہور ہوئے۔

وہ ایک انسان دوست شاعر تھے، انہوں نے انسان کو ان کی عظمت کا درس دیا۔ خود شناسی ان کی شاعری کا اہم موضوع ہے اور انہوں نے اپنی سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی شاعری میں اس نکتہ کو بار بار بیان کیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنا حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی پر تحقیقی کام ہوا ہے، اتنا سچل سرمست پر نہیں ہوا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت سندھ کے محکمہ ثقافت و سیاحت نے گذشتہ سال سچل قومی ادبی کانفرنس اور اردو سندھی مشاعرہ کا اہتمام کیا اور اس موقع پر حضرت سچل سرمست کا قدیم مجموعۂ کلام ''رسالو میاں سچل فقیر جو'' شائع کیا جس کی اہل علم نے بڑی تعریف کی۔ یہ مجموعۂ کلام مرزا علی قلی بیگ نے بڑی محنت سے تیار کرکے دو جلدوں میں ۱۹۰۲۔۱۹۰۱ میں شائع کروایا تھا۔ جو عرصۂ دراز سے ناپید تھا۔ اُس ادبی کانفرنس کے موقعے پر محترمہ سسئی پلیجو صاحبہ صوبائی وزیر ثقافت و سیاحت نے ایک ریسرچ کمیٹی ڈاکٹر نواز علی شوق صاحب کی سربراہی میں تشکیل دی تھی، کمیٹی کے ذمہ سچل سائیں کی زندگی، شاعری اور فکر پر تحقیق کرنی تھی۔ کمیٹی نے اس سلسلے میں کچھ پیش رفت کی ہے اور سندھی، اردو اور انگریزی میں تین کتب شائع کرنے کی سفارش کی۔ اس کمیٹی کی سفارشات پر ہم محکمہ کی طرف سے سچل سرمست کے ۱۸۸ ویں عرس کے موقعے پر تین کتابیں شائع کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر نواز علی شوق کی محنتوں اور محبتوں کا ثمر ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

شمس جعفرانی
سیکریٹری، محکمۂ ثقافت و سیاحت
حکومت سندھ

کراچی
ستمبر ۲۰۰۱ء

پیش لفظ

اہل نظر اہل دل اور اہل اللہ نے ہر دور میں جہانِ تازہ کی تخلیق کی ہے۔ کہیں اپنے افکارو خیالات سے کہیں اپنے نغمۂ عشق و مستی سے اور کہیں اپنے عمل سے تازہ بستیاں آباد کی ہیں۔

جاں نثاروں نے ترے کردیئے جنگل آباد

اہل اللہ نے شہر کے ہنگاموں اور شورو شغب سے نکل کر ذکر و فکر کے لئے خلوت نشینی اختیار کی لیکن ان کی خانقاہیں اور عبادت گاہیں دیکھتے ہی دیکھتے مرجع خاص و عام بن گئیں اور شہروں کی رونق ان خانقاہوں اور مختصر آبادیوں میں سمٹ آئی۔ بالائی سندھ میں بھی ایک ایسی ہی بستی ہے۔ آبادی کے ہنگاموں سے دور شہر کے شوروغل سے پاک ٹھنڈی پر سکون فضا اور لہلہاتے کھیت، روحانی عظمت میں ڈوبی ہوئی اس بستی کا نام ''درازا'' ہے جسے ایک عارف کامل مرد حق آگاہ آتش نفس اور انسان دوست صوفی سائیں صاحب ڈنو نے آباد کیا تھا۔

سچل سائیں کے کلام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ آپ کا کلام نہ صرف تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے مگر اصناف کے لحاظ سے بھی ان کی سندھی اور سرائیکی شاعری اپنی مثال آپ ہے موضوع اور مضمون خواہ فکر و فن کے لحاظ سے آپ کا کلام افضل و اعلیٰ ہے۔ ویسے تو سچل سرمست کا کلام ہر صنف پر قابل تعریف ہے مگر خاص طور پر اُن کی کافیاں کمال کے درجات پر ہیں۔ اُن کی کافیوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ یقیناً وہ کافی کے شہنشاہ ہیں۔ اُن کی کافیاں ایسے میٹھے پانی کے چشمے کے مانند ہیں جہاں متعدد شعراء نے اپنی پیاس بجھائی۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بعد سندھی زبان کے بڑے شاعر سچل سرمست ہی ہیں، مگر سرائیکی میں سندھ میں اُن کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اگر آپ کو سندھ میں سرائیکی شاعری کا امام کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔
اُن کے سرائیکی کلام میں دوہے، کافیاں، جھولنے، اور سی حرفیاں شامل ہیں۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے سندھی شاعری کو عروج پر پہنچایا اور سچل سرمست نے سرائیکی شاعری کو کمال کے درجے پر پہنچایا۔ شاہ لطیف نے اپنی قابلیت اور ذہانت سے سندھی ابیات اور وائی کو مقبولیت دی، تو سچل سرمست نے سرائیکی دوہے اور کافی کو شہرت بخشی اس وقت تک کسی بھی شاعر نے سرائیکی زبان میں خوبصورت اور معیاری دوہا، کافی، سی حرفی اور دیگر اصناف میں اتنا حسین کلام نہیں کہا تھا۔ حضرت سچل سرمست کی فکر ایک بحر کی مانند ہے میری یہ کتاب اُس بحر کا ایک قطرہ ہے۔ اس کتاب میں میں نے مشہور دانشور استاد محترم پروفیسر کرار حسین (مرحوم) کا ایک مقالہ ''سچل، تاریخ، تصوف، شعر'' شامل کیا ہے، اس کے علاوہ مشہور محقق محترم نسیم امروہوی (مرحوم) کا ایک مقالہ ''سچل کی اردو اور فارسی شاعری'' شامل کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مقالے اس کتاب کی روح ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین
میں محکمہ ثقافت و سیاحت کی صوبائی وزیر محترمہ سسئی پلیجو صاحبہ، جناب شمس جعفرانی صاحب، جناب مونس ایاز صاحب اور ڈاکٹر محمد علی مانجھی صاحب کا شکرگذار ہوں جنہوں نے مجھے یہ علمی و ادبی موقع فراہم کیا اور میری یہ کتاب شائع کی۔

نواز علی شوق

کراچی، ۲۵ اگست، ۲۰۰۸ء

انتساب

بصد احترام

مشفق و مہربان

قابلِ احترام اساتذہ کرام

پروفیسر عطا محمد حامی اور پروفیسر کرار حسین

مرحومین کے نام

اللہ تعالیٰ. ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے

آمین

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

نواز علی شوق

سوانح عمری

خاندان

فاروقیوں کے جد امجد میاں شہاب الدین محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے وہ نہ فقط فاتح سندھ کے اعلیٰ مشیر تھے بلکہ ابن قاسم کے لشکر کے پیش امام بھی تھے محمد بن قاسم نے انہیں سہون کا حاکم مقرر کیا۔ اس لحاظ سے وہ سندھ کے پہلے مسلمان حکمران تھے ان کا انتقال ۹ محرم سنہ ۹۵ھ میں ہوا اور سہون میں مدفون ہوئے ان کے بعد ان کا پوتا محمد تخت نیشن ہوا، جن کا انتقال ۷ رجب ۱۲۴ھ میں ہوا اور سہون میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا عبداللطیف ہونے کا حاکم ہوا جن کی وفات ۱۴ ذوالقعد ۱۶۴ھ میں ہوئی ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند ان کے جانشین ہوئے جو ۳۰ جمادی الثانی راہیءِ ملک عدم ہوئے جب محمود غزنوی سندھ پر قابض ہوئے تو انہوں نے اسحاق کے بیٹے محمد فاروقی کی سالانہ تنخواہ مقرر کی اور محموفاروقی کی اولاد میں سے مخدوم نورالدین کے دو فرزند مخدوم ابو سعید مخدوم بصرالدین سہون سے ہجرت کر کے پرگنہ گاگن، تعلقہ گمبٹ ضلع خیرپور میں سکونت پذیر ہوئے اور سنہ ۶۶۵ھ میں اس وقت کے مشہور بزرگ شاہ جمار کے مرید ہوئے شاہ جمار کا مقبرہ تعلقہ گمبٹ کے قصبہ گڈے جی میں ہے اور مخدوم ابو سعید کا مقبرہ موسے جی میں ہے۔

مخدوم ابو سعید اور مخدوم بصرالدین نے مرشد کے حکم پر ریاضتیں اور مجاہدے

کئے ملتان کے بزرگ بہاؤالدین زکریا سیر و سفر کرتے ہوئے جب اس علاقہ میں تشریف لائے تو ان کی بزرگی کی بڑی تعریف کی۔ میاں صاحب ڈنو مذکورہ بزرگ مخدوم ابوسعید کی نویں پشت میں سے پیدا ہوئے اور درازا خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔

درازا

فاروقی خاندان کے ایک بزرگ میاں احمد کلہوڑہ حکمرانوں کے ہاں سرکاری ملازم تھے ان کی ایمانداری اور دیانت داری دیکھ کر کلہوڑہ حاکم نے موجودہ ضلع خیرپور کے تعلقہ گمبٹ اور رانی پور کے درمیان والی زمین انہیں بطور جاگیر دی تھی۔ میاں احمد نے وہ زمین تقسیم کرکے اپنے دو نمک حلال ملازموں دراز اور کاجن کو آباد کرنے کے لئے دے دی تھی۔ دونوں نے اپنے اپنے حصے کی زمین پر دو گاؤں آباد کئے وہ دونوں گاؤں ان کے نام کی نسبت سے دراز اور کاجن کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ کاجن کا گاؤں ویران ہوگیا لیکن دراز کی عمر ہمیشہ دراز ہے جو صدیوں کے بعد بھی سرسبز و شاداب ہے جس کی تعریف کرتے ہوئے سچل سرمست نے فرمایا ہے۔

دیس سچل دا درس درازا مکہ نا ملتان

یعنی سچل کا دیس درازا ہے، مکہ اور ملتان نہیں ہے

سچل سرمست کا اسم گرامی عبدالوہاب تھا۔ ان کے والد کا نام صلاح الدین اور دادا کا نام صاحب ڈنہ تھا، آپ کا شجرہ نسب حضرت عمرابن الخطاب سے جا ملتا ہے۔

سچل سرمست کی ولادت باسعادت 1152 ہجری بمطابق 1739ء میں ہوئی۔ وہ خواجہ محمد حافظ کے بڑے فرزند میاں صلاح الدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔

آپ کا نام ان کے پر دادا کے نام کی مناسبت سے عبدالوہاب رکھا گیا، مگر اپنی سچائی کے سبب وہ سچلؒ، سچے ڈنہ اور سچو کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کے چچا اور مرشد میاں عبدالحق انھیں اسی نام سے پکارتے تھے۔ سچلؒ سرمست نے سندھی، سرائیکی اور اردو کلام میں یہ نام بطور تخلص استعمال کیا ہے مگر فارسی میں ان کا تخلص ''آشکار'' اور ''خدائی'' تھا۔ آپ کا وصال 14 رمضان المبارک، 1242 ہجری بمطابق 1826ء میں ہوا۔ آپ کا مزار ''درازا'' میں ہے جہاں ہر سال 14 رمضان المبارک کو میلہ لگتا ہے۔

ان کی وفات پر فقیر قادر بخش بیدل سندھی نے ایک غزل نما کافی کہی تھی۔ملاحظہ فرمائیں اس کافی کے اشعار۔

عشق جو یارو درازن میں عجب اسرار ہو
مست سالک شہ سچل عاشق اتے اظہار ہو
برہ جی برسات جو تہیں وِیر تے وسکار ہو
ظاہر و باطن تہیں وٹ درد جو دھدھکار ہو
وجدوحدت جو سدا خاصو وتہیں خمار ہو
مرد سو منصور وانگر عشق جو اوتار ہو
منجھ سخن اُن جے الوہیت سندو آثار ہو
جنگ جذبے جوش مستی میں مثل عطار ہو
پانجے رائے پرین نوے ورھیہ نروار ہو
پوءِ وصل جی موج ماٹے ذوق کھوں ذخار ہو

طور بارہس سو بائیتالیھہ میں تیار ہو

چوڈہیں رمضان جے بادی پون، ہموار، ہو

قربدارن جے کٹک میں مرد منصب دار ہو

در تھیں داتا جے "بیدل" پرت جو پینار ہو

اس غزل نما کافی میں بیدل فقیر نے سچل سائیں کو مست، سالک اور عارف کہتے ہوئے

منصور اور عطار ثانی کہا ہے۔

سچل سرمست چھ برس کے ہوئے تو آپ کے والد میاں صلاح الدین کی وفات ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد اس دُر یتیم کی پرورش اس دور کے دو بڑے صوفیائے کرام اور جید علماء یعنی ان کے دادا خواجہ محمد حافظ اور ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے کی۔ ان دونوں کے فیض یافتہ نامور عالم حافظ عبداللہ قریشی نے سچل سرمست کو قرآن شریف حفظ کروایا اس کے بعد عربی و فارسی کی تعلیم انہوں نے اپنے چچا عبدالحق سے حاصل کی۔ انہوں نے قرآن حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور تصوف و معرفت کی تعلیم کے بعد انہیں خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔

حضرت سچل سرمست نے اپنے سندھی، سرائیکی اور فارسی کلام میں اپنے چچا، استاد اور پیرو مرشد سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی بیحد تعریف کی ہے۔ ایک سرائیکی روہے میں فرمایا ہے کہ عبدالحق میرا ہادی و رہبر ہے جو ایک صوفی ہے بزرگ ہیں اور مجھے سارا علم ان ہی سے حاصل ہوا۔ فرماتے ہیں

ہادی ہے میرا عبدالحق سائیں
صوفی صاف جو شہنشاہ میاں
سھو علم تہیں توں معلوم تھیا
اسرار مٹریوئی آگاہ میاں

سچل سرمست کی شادی آپ کے چچا خواجہ عبدالحق کی دفتر نیک اختر سے ہوئی۔ ان کی شریکِ حیات دو سال تک زندہ رہیں مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

سچل سرمست بچپن ہی سے بردبار، منکسر المزاج اور خاموش طبع انسان تھے۔ اکثر خاموش رہتے تھے۔ عیش و آرام سے دور رہتے تھے۔ چار پائی کے بجائے لکڑی ایک چوکی (تخت) یا زمین پر سوتے تھے۔ نہ کبھی کوئی شکار کیا اور نہ کوئی جانور ذبح کیا اور نشہ آور چیزوں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔

انہوں نے ابن العربی، فریدالدین عطار، احمد جام اور دوسرے صوفی بزرگوں کی تصنیفات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ خاص طور پر عطار سے بہت متاثر تھے۔

سچل سرمست کے وقت کے حکمرانوں خاص طور میر سہراب خان اور میر رستم خان سے اچھے مراسم تھے۔ تالپور امیر ان کی بہت عزت کرتے تھے اس کے علاوہ رانیپور، گھبٹ، کھہڑا، پیر جو گوٹھ اور دوسری اس دور کی خانقاہوں کے سجادہ نشینوں سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔

تصنیفات

سچل سرمست اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور بسیار گو شاعر تھے۔ ان کا سندھی، سرائیکی، اُردو اور فارسی میں کلام کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ سچل سائیں کے

پہلے شارح مرزا علی قلی بیگ کی روایت کے مطابق انتقال سچل سائیں کے وقت ان کے
کلام کی تعداد نو لاکھ، چھتیس ہزار چھ سو چھ اشعار تھی، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ سندھ و سرائیکی کافیاں اور دوہے۔
۲۔ اُردو غزلیات
۳۔ مرغ نامہ سندھی
۴۔ وحدت نامہ سندھی،
۵۔ قبل نامہ سندھی
۶۔ جھولنے اور گھڑولیاں
۷۔ مراثی (سندھی)

فارسی تصنیفات

الف: دواوین

۱۔ دیوان آشکار
۲۔ دیوان خدائی

ب: مثنویات

۱۔ راز نامہ
۲۔وحدت نامہ
۳۔رہبر نامہ
۴۔عشق نامہ
۵۔گداز نامہ
۶۔ وصلت نامہ
۷۔ تارنامہ
۸۔ ساقی نامہ

درگاہ درازا کے سجادہ نشین

ا۔ میاں صاحبڈنو فاروقی (۱۷۷۲ء۔۱۶۸۱ء)

درگاہ درازا کی بنیاد صاحبڈنو فاروقی نے رکھی تھی آپ کا خاندانی نام محمد حافظ تھا مگر پیار سے انہیں صاحب ڈنو پکارتے تھے آپ کا لقب ''موراگی'' اور سوائی بھی تھا۔

میاں صاحبڈنو کا جنم ۱۱۹۲ھ مطابق ۱۶۹۷ء میں سندھ میں کلہوڑوں کی حکمرانی کے دور میں ہوا۔ سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد کے ایک بزرگ شیخ عبیداللہ جیلانی کے مرید تھے۔ میاں صاحبڈنو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہم عصر تھے۔ شاہ لطیف نے آپ سے درازا میں ملاقات بھی کی تھی ہمارے عظیم صوفی شاعر سچل سرمست آپ کے پوتے تھے۔

میاں صاحب ڈنو نے اس زمانے کے رواج کے مطابق عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی ایک مرتبہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے دفتر جارہے تھے تو کوٹری کبیر اور ڈیونہ کے درمیان ایک مجذوب عورت نے اُن کو روکا کچھ سندھی ابیات سنانے کے بعد کہا ''خدا تجھے ڈھونڈ رہا ہے تم کس کی تلاش میں ہو۔

مجذوبہ کی یہ گفتگو سن کر ان پر حال طاری ہوگیا ملازمت چھوڑ کر چلہ کشی شروع کی اور جنگلوں میں رہنے لگے یہ واقعہ حضرت سچل سرمست نے اپنی فارسی مثنوی راز نامہ میں بیان کیا ہے جس کا منظوم اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

میاں صاحبڈنو فاروقی ''کافی'' کے ابتدائی شعراء میں سے ایک اہم اور منفرد

شاعر شاعر تھے آپ کا تمام کلام تصوف کی رموز سے سرشار ہے آپ کی کافیاں سلیس اور عام فہم ہیں۔ میاں چنیہ فقیر اُجن آپ کا خاص خلیفہ تھا۔ میاں صاحبڈنو نے بڑی عمر پائی ۔ ان کی وفات ۱۱۹۲ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں ہوئی۔

مشہور روایت ہے کہ جب میاں صاحب ڈنہ ایک غار میں معتکف تھے تو حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی درازا آکر ان سے ملے تھے۔ شاہ صاحب اس غار کے سامنے آکر بولے ''یہاں پکے ہوئے خربوزے کی بو آرہی ہے'' لوگوں نے اُنہیں بتایا کہ یہاں میاں صاحب ڈنو معتکف ہیں پھر شاہ صاحب نے اندر جاکر ان سے ملاقات کی اور انہیں کہا ''دوست کو چھپانا نہیں چاہیے''۔

آپ کے مرشد شاہ عبیداللہ جیلانی انہیں بہت پیار کرتے تھے۔ میاں صاحب ڈنہ نے ان کی صحبت میں رہ کر طریقت کے مراحل طے کئے اور معرفت کی منزل کو پہنچے اور روحانی درگاہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

میاں صاحب ڈنہ سندھی بیت اور کافی کے بلند پایہ شاعر تھے فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔فارسی زبان میں ان کا تخلص عارف تھا۔ ملاحظہ ہو ان کے ایک سندھی شعر کا اردو ترجمہ

کسی کو نہر سے محبت ہے، کس نے اپنے دل کے اندر دریاسا دے

صاحبڈنو کی سانسوں میں سارا سمندر سایا ہوا ہے

ملاحظہ ہو میاں صاحب ڈنہ عارف کی دو فارسی غزلیں۔

غزل

محبوب خود ای عاشق از غیر چرا جوئی

او را ہم زو بطلب گر مرد خدا جویی

نی عرش خبر دارد نی فرش اثر دارد

گر در دلِ تو نبود دیگر زکجا جویی

محبوب قرین درتو درخویش نکو بنگر

در غیر نئ آخر از غیر چرا جویی

دنیا طلبد جاهل عقبیٰ طلبد عاقل

ای عارف صاحب دل باری توکرا جویی

غزل

چو چشم از غیر بربندی همہ دیدار او بینی

زذراتِ جہاں تابان ہمہ انوار او بینی

درون قصر دل در روکہ تاازوی خبر یا بی

بہ ذراتِ نکو بنگر کہ تا اسرار او بینی

زمراتِ جهان باری توان عکس رخش دیدن

اگربی پردہ نتوانی کہ بر رخسار او بینی

هوالاول هوالآخر هوالظاہر هوالباطن

بجیب خود فروکن سر کہ تا انوار او بینی

تو باری خود شوی عارف کہ ترکِ مطلق است اینجا

کہ اورا یار خود دانی و خود را یار او بینی

۲۔ میاں عبدالحق اول (۱۶۹۳ء۔۱۷۰۰ء)

میاں صاحبڈنو کے دو فرزند تھے ایک میاں صلاح الدین (سچل سائیں کے والد) اور دوسرے میاں عبدالحق (سچل کے چچا، مرشد اور سسر) جیسا کہ میاں صلاح الدین اپنے والد محترم میاں صاحب ڈنو کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے، اس لئے آپ کا چھوٹا بیٹا میاں عبدالحق مسند عشق پر جلوہ افروز ہوا۔ سچل نے اپنی بیشتہ کافیوں میں اپنے مرشد میاں عبدالحق سے عقیدت کا اظہار کیا ہے مثلاً ان کا ایک شعر ہے۔

کوئی حق کہے کوئی ناحق کہے کوئی بات یہ برحق کہے

مجھے ہادی عبدالحق کہے میں جو ہی ہوں سو ہی ہوں

درگاہ کے سجادہ نشین اکثر دیواری میں رہتے تھے اور ورازن سے باہر نہیں جاتے تھے۔ چار دیواری کے فرائض چیدہ فقیر بجالاتے تھے۔ جن کے بعد ان کی پشت وہ ہی فرائض اسی وقت انجام دیتے رہتے ہیں۔ باہر کے کام کاج جاگیر (میر رستم ناپر نے دی تھی) کی دیکھ بھال سچل سائیں خود کرتے تھے۔*

میاں عبدالحق کی مسند نشینی کے سلسلے میں مولوی مد صادق نے ''سچل جو سرائیکی کلام'' میں روایت پیش کی ہے ''ایک دن میاں صاحب ڈنو نے اپنے بیٹوں کا اس طرح امتحان لیا تھا۔ اپنے بڑے بیٹے صلاح الدین سے کہا پیلو کے درخت کے پاس پانی کا لوٹا رکھا ہے وہ لے آؤ۔ بیٹا گیا تو دیکھا کہ سامنے خون کا دریا بہہ رہا ہے یہ دیکھ کر وہ لوٹ آیا اور یہ حقیقت بیان کردی۔ اس کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے عبدالحق کو کہا کہ تم جاکر وہ لوٹا لے آؤ۔ وہ گیا اور اس نے بھی خون کا دریا دیکھا مگر دل مضبوط کرکے ہمت باندھ کر خون کے دریا میں چلا گیا اور لوٹا اٹھا کر والد کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس امتحان کے بعد میاں صاحب ڈنو کو یقین ہوگیا کہ فقیری کی اہلیت اور لیاقت ان کے چھوٹے بیٹے میں ہے۔

اپنے بڑے بیٹے صلاح الدین کو وصیت کی کہ میرے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو گدی پر بٹھانا۔ اس وصیت کے مطابق میاں عبدالحق مسند نشین ہوئے۔''

میاں عبدالحق سندھی و فارسی زبان کے شاعر تھے۔ مگر ان کا کلام عدم توجہی کے سبب محفوظ نہ ہوسکا۔ البتہ مولوی محمد صادق نے ٹچل کے سرائیکی کلام میں آپ کی ایک ''مدح'' دی ہے جو سید عبدالقادر جیلانی کی شان میں بیان کی گئی ہے۔ میاں عبدالحق نے ۱۲۱۴ھ میں وفات پائی۔

ان کی ایک فارسی غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے

غزل

پیش یار خود نہ کردی جان و دل قربان چرا
مانده ای بی خبر در فکر این و آن چرا
نحن اقرب راست گفته حست من حبل الور ید
قرب او را بعد می دانی کنی برھان چرا
کن شمار گوسفندان ای شبان از بیش و کم
در تغافل مانده از جملہ گرگان چرا
خوش لباس پوش باحق باش از خوش درون
عیب خودرا می کنی دی خرقہ پنہان چرا
چونکہ نبود مرترا بہرہ زعلم بی عمل
چون ھوس بازار کنی اندی بغل قران چرا

نازنین جسم ترا دی خاک چون غلطان کند
پس چنان تن پروری در عشرت و سامان چرا
چون طریق درد نزدیکست با حق ای عزیز
ازبلیبان جهان منت بری درمان چرا
ای زپا تا فرق هستی غرق در بحر گناه
می نهی دست اعانت بر گنهگاران چرا
حکمت انوار او چون در دل تو جاگرفت
می کنی باآن شکم خود پر زآب و نان چرا
باش ای حق الحق از معصیت خود غم منخور
چون محمدؐ پیشوا داری دلت لرزان چرا

۳۔ سخی قبول محمد اول (۱۸۲۵ء۔۱۷۶۱ء)

خواجہ عبدالحق کے دو فرزند تھے ایک قبول محمد اور دوسرے زین العابدین۔
میاں عبدالحق کی وفات ۱۲۱۴ھ میں ہوئی ان کی وفات کے بعد سائیں قبول محمد (اول) مسندنیشن ہوئے۔ وہ نہایت فراخ دل سخی اور رحمدل انسان تھے۔ ان کی بے انتہا سخاوت کے سبب انہیں ''سخی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔
فقیر قادر بخش بیدل نے ان کا ایک سندھی شعر اپنی ایک تصنیف ''تقویت القلوب فی تذکریت محبوب'' میں درج کیا ہے۔
سخی قبول محمد سندھی و فارسی کے اچھے شاعر تھے افسوس کے ان کا کلام آج محفوظ نہیں بطور نمونہ ان کی ایک فارسی غزل پیش کی جاتی ہے۔

غزل

تحقیق بدان کہ پدید نہان ہمہ اوست ببین کہ تو ہیچ نئی

آن ظاہر و باطن جسم و جان ہمہ اوست ببین کہ تو ہیچ نئی

اظہار بیان کنندہ او ہمہ اوست شمع شنوندہ او

تو بندہ اوگویند زبان ہمہ اوست ببین کہ تو ہیچ نئی

ازغیر خودی بیزار شوی تا واقف این اسرار شوی

از اسم وجسم و نام و نشان ہمہ اوست ببین کہ تو ہیچ نئی

این راز قبولا باز مگو ،خاموش بکن این راز مگو

ازھر دو جہان دست فشان ہمہ اوست ببین کہ تو ہیچ نئی

۴۔ میاں نظر محمد (۱۸۳۲ء۔۱۷۸۱ء)

سخی قبول محمد کی وفات کے بعد آپ کے فرزند میاں نظر محمد ''نوری'' کے لقب سے ۱۲۴۵ھ میں تخت نشین ہوئے۔ میاں نظر محمد متوکل اور سادگی پسند انسان تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی رشد و ہدایت میں گذاری۔ ان کا وصال سنہ ۱۲۵۲ھ میں ہوا۔

وہ فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ ان کی ایک فارسی غزل بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

غزل

بلبل در گلشن این کرد آشیانه

بهر آن وصل گلها در فغانه .

شب و روزش که دارد ناله زاری

نمانده صبر اورا یک زمانه

که گل بشگفته بلبل دیده درباغ

شده آشفته تر حیران دیوانه

چنان خوشبوی گلها کرد مدهوش

که جسم و جان بلبل گل بهانه

بسی دارم که دردل راز چون غنچه

که چشم انتظارم نرگسانه

که رنگ وبوی گل درغنچه مخفی

اگر سازم بیان سوزد زبانه

چشیدم جام مستی ازبوی گلزار

چگونه من کنم رازش بیانه

ندارم طاقت دیدار گلبن

که چون گلزیب گشته مبتلانه

نظر مخمور بلبل در فراقت

که دارد رازگل در دل نهانه

۵۔ خواجہ نجم الدین (۱۸۵۴ء۔۱۸۱۵ء)

میاں نظر محمد کے دو فرزند تھے۔ ایک خواجہ نجم الدین اور دوسرا میاں محمد غوث محمد، خواجہ نظر محمد کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے نجم الدین گدی کے وارث بنے۔ آپ بہت حسین اور خوبصورت تھے اس لئے آپ کو ''یوسف ثانی'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ غریبوں کے ہمدرد اور سخی تھے جاگیر سے جو بھی اناج آتا تھا، وہ تمام اناج غربا، مساکین اور درگاہ کے فقرا میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ لوگوں کی بیٹھک (محفل) کے لئے ایک بنگلہ بھی آپ کی زندگی اور سرپرستی میں تعمیر ہوا۔

خواجہ نجم الدین کی شادی سچل سائیں کے خاص مرید سندھی، ہندی اور سرائیکی کے بلند پایہ شاعر نانک یوسف کی صاحبزادی سے ہوئی۔ خواجہ نجم الدین کی وفات ۲۳ برس کی عمر عین نوجوانی میں ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔

۶۔ سخی قبول محمد دوئم (۱۹۲۵ء۔ ۱۸۴۲ء)

خواجہ نجم الدین کی وفات کے بعد آپ کے فرزند سخی قبول محمد دس برس کی چھوٹی سی عمر میں ۱۲۷۲ھ سجادہ نشین ہوئے سخی قبول محمد کی ایام کاری میں تصوف کی تحریک کو نئے سرے سے متحرک اور منظم کیا گیا۔

سخی قبول محمد اپنے دور میں سچل سرمست کی چاہت لوگوں میں بانٹتا تھا۔ ان کی جلائی ہوئی شمع پر ہندو اور مسلم کا میلا لگتا تھا۔ ہندومسلم کی دوری مٹ گئی تھی۔ سخی سائیں کی پیدائش کے موقعہ پر فقیر نانک یوسف نے اپنے مرشد زادے کے لئے دعائیہ کافی منظوم کی تھی۔

عمر دراز تیری اللہ نگہبان ہووے

مولا دی امان ہووے

سخی قبول محمد کے پیارے طالب سردار بہادر محمد بخش کوجھی نے اپنے مرشد کی عقیدت مندی کیلئے اپنے جذبوں کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

سخی قبول محمد سائیں بڑی عمر میں ۱۳۴۳ھ میں وفات پائی۔

۷۔ میاں صاحب ڈنو (دوئم) (۱۹۳۲ء۔۱۸۸۷ء)

سخی قبول محمد کے چار فرزند تھے۔ میاں محمد پریل میاں محمد چچل، میاں صاحب ڈنو اور میاں رستم علی۔ سخی قبول محمد کی وفات کے بعد ۱۳۴۳ھ میں میاں صاحب ڈنو سجادہ نشین ہوئے۔ مگر خاندانی اختلافات کی وجہ سے درگاہ کا وہ گذشتہ اوج نہیں رہا۔ میاں صاحب ڈنو ۴۳ برس کی عمر میں ۱۳۵۱ھ وفات پاگئے۔

۸۔ میاں جان محمد عرف سخی قبول محمد (سوئم) (۱۹۵۲ء۔۱۹۱۳ء)

میاں صاحب ڈنو کے دو فرزند تھے ایک میاں جان محمد اور دوسرے عبدالحق۔ اگرچہ میاں جان محمد نے خاندانی اختلافات کو ختم کرنے کیلئے زیادہ کوشش کی مگر افسوس کہ انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ میاں جان محمد کا دور درگاہ کا ایک شہنشاہی دور تھا سائیں صالح شاہ رانی پور والے بھی آپ کی محفل میں درازا تشریف لاتے تھے۔ میاں صاحب کی وفات ۱۳۷۱ھ میں ہوئی۔

۹۔ خواجہ عبدالحق (دوئم) (۱۹۷۸ء۔۱۹۱۵)

میاں جان محمد کا کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے ان کی وفات کے بعد آپ کا

چھوٹا بھائی میاں عبدالحق گدی نشین ہوا۔ میاں عبدالحق پہلا گدی نشین تھا جس نے پرانی روایت چار دیواری کے اندر گزارنے والی رسم کو ختم کیا۔ آپ نے سندھ اور ہند کا سفر شروع کیا میاں عبدالحق کو مریدوں اور خادموں سے لاکھوں روپے نذرانے کے طور پر ملتے تھے مگر وہ تمام دولت فقرا اور مساکین میں بانٹ دیتے تھے۔

آپ نے ساری زندگی حویلی کے نزدیک پیلو کے درخت کے پاس چھونپڑی میں بسر کی۔ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ سے دور رہے امیری پر فقیری کو ترجیح دی۔

۱۰۔ سخی قبول محمد سوئم

میاں عبدالحق کے بعد سخی قبول محمد سوئم گدی نشین ہوئے۔ اس وقت ڈاکٹر سخی قبول محمد چہارم گدی نشین ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ خاص طور تصوف کے ماہر ہیں بہت ہی با اخلاق، سخی اور صاحب بصیرت انسان ہیں۔

سچل سائیں کے دور کے سیاسی اور سماجی حالات

سندھ کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ سچل سرمست کا دور (۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء۔۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) میں سندھ کی سر زمین پر جو لڑائیاں لڑی گئیں فسادات برپا ہوئے اُن کی تعداد بہت ہے۔ تقریباً چھوٹی بڑی 45 جنگیں ہوئیں۔ سچل سائیں کی ولادت سے کچھ قبل اور اُن کے دور میں سندھ دھرتی پر درد ناک واقعات پیش آئے جن کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ خان قلات کا سندھ پر حملہ ۱۷۳۰۔۳۱ء

۲۔ کلہوڑوں کا کھہڑا شہر پر حملہ ۱۷۳۲۔۳۳ء

۳۔ دھاریجہ اور ککرالہ قبائل کے درمیان لڑائیاں ۱۷۳۹ء

۴۔ نادر شاہ کا سندھ پر ظالمانہ حملہ ۱۷۳۹۔۴۰ء

۵۔ احمد شاہ ابدالی کا سندھ پر خونی حملہ ۱۷۵۴ء

۶۔ میاں مراد یاب اور میاں غلام شاہ کے درمیان جنگ ۱۷۵۷ء

۷۔ میاں غلام شاہ اور بھائی عطر خان کے درمیان جنگ ۱۷۵۸ء

۸۔ کچھ کے راجہ کا سندھ پر حملہ ۱۷۶۳۔۶۴ء

۹۔ میر بہرام اور میر صوبدار کی شہادت سندھ میں سرد جنگ کی ابتدا ۱۷۷۵ء

۱۰۔ میاں سرفراز کی معزولی اور میاں غلام شاہ کی تخت نشینی۔ باہمی لڑائی اور فسادات ۱۷۷۶ء

۱۱۔ کلہوڑا اور تالپر خاندانوں کے درمیان جنگ ۱۷۷۶ء

۱۲۔ بالانی میں کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان جنگ ۱۷۷۶ء

۱۳۔ عزت یار خان پٹھان اور میاں عبدالنبی کے درمیان لکھی اور شکارپور میں جنگ ۱۷۸۱ء

۱۴۔ تیمور شاہ بن احمد شاہ کا سندھ پر حملہ ۱۷۸۱۔۸۲ء

۱۵۔ مدد خان پٹھان کا سندھ پروحشتناک حملہ ۱۷۸۴ء

۱۶۔ کلہوڑا اور تالپوروں کے درمیان جنگ ۱۷۸۲ء

۱۷۔ تالپور خاندان کی حکمرانی سندھ حکومت کا بٹوارہ ۱۷۸۲ء

۱۸۔ میر عبداللہ و میر فتح خان کی شہادت ۱۷۸۳ء

۱۹۔ دلاور خان پٹھان کا سندھ پر حملہ ۱۷۸۸ء

۲۰۔ شاہ شجاع کا سندھ پر حملہ کھڑی کی جنگ ۱۸۰۳ء

۲۱۔ سکھوں کا سندھ پر پہلا حملہ ۱۸۲۳ء

۲۲۔ سکھوں کا سندھ پر دوسرا حملہ ۱۸۲۵ء

نادرشاہ نے جب سندھ پر ظالمانہ حملہ کیا تب سندھ کے شہر گاؤں اور بستیاں ویران و برباد ہوگئیں۔ وہ ایک کروڑ روپے جنگ نہ کرنے کا جنگی تاوان اور بیس لاکھ روپے سالانہ خراج وصول کرکے ایران چلا گیا۔ مگر سندھ کی جو تباہی و بربادی کرگیا اس کی داستان ایک ہولناک ہے۔ لاشوں کے انبار۔ دردمند لوگوں کی چیخیں، بیوہ عورتوں کی پکاریں، یتیموں کی فریادیں، مظلوموں کی عرش تک پہنچنے والی صدائیں، جلتے ہوئے شہروں، گاؤں اور بستیوں سے اٹھتے ہوئے دھوؤں کے غبار، اسی طرح اس کی ظالمانہ کاروائی کی وجہ سے سرسبز اور شاداب والی سندھ ویران ہوگیا۔

سندھ پہلے دہلی کے دباؤ میں تھا پھر ایران کے زیر ستم آ گیا پہلے قتل عام دہلی میں ہوتا تھا تو اس کا تھوڑا بہت اثر سندھ پر ضرور ہوتا تھا۔ دارا شکوہ آگرہ میں اورنگ زیب کے لشکر سے شکست کھا کر مظلوموں کی حالت میں دربدر ہوا تو اس وقت سندھ اورنگ زیب کے زیر عتاب آ گیا۔

سید حسام الدین راشدی مرحوم نے کتاب ''ہشت بہشت'' کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ ''دارا کی درد ناک داستان کے کتنے ہی اثرات سندھ کی سرزمین پر مرتب ہوئے آگرہ میں پہلی شکست کے بعد دارا دشمنوں کا لشکر اپنے پیچھے دوڑاتا ہوا پنجاب سے بکھر آیا۔ سہون میں قیام کیا اور ٹھٹہ میں کچھ دن قیام کر کے اپنا پسینہ خشک کیا اور اُن کے پیچھے عالمگیری لشکر گھوڑوں کے پیروں تلے سندھ کی سرزمین کو روندتا، اکھاڑتا، اُجاڑتا رہا اور خون کی سرخیوں سے کئی عنوان سنوارتا رہا۔ تیروں اور تلواروں کی چمک تو ہر جگہ جاری تھی مگر بکھر کے نزدیک جو بجلی گری، دھماکے ہوئے وہ تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔''

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھی نوجوان ۱۵۲۰ سے ۱۷۳۷ تک پورے دوسو سترہ برس گوریلا جنگ لڑتے رہے اُن کی چھ پشتیں یکے بعد دیگرے اس آگ کی نذر ہوتی رہیں۔ اہل سندھ نے اس طویل لڑائی میں دکھ درد اور اذیتیں برداشت کیں بہت سی مشکلات کا سامنا کیا، کولہو میں پسائے گئے، قلعے کے میناروں سے زندہ دریا میں پھینکے گئے۔ جمعے اور عیدوں کے اجتماعات میں ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ قرآن شریف کو درمیان میں ضامن دیکر دھوکے اور دغا سے شہید کیے گئے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں ابلتے ہوئے پانی میں پھینکا گیا سولی کا سنگھار

بنے، پھر بھی اپنے مقاصد سے ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹے۔ اُن کی جواں مردی اور بہادری کی داستانوں سے تاریخ کے کتنے ہی اوراق سجے ہوئے ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے ان سورماؤں کی بہادری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

شاہ لطیف کے یہ اشعار اسی دور کی درد ناک داستان بیان کرتے ہیں۔ یہ طویل جنگ جاری تھی کہ شاہ عنایت کی شہادت کا ہولناک واقعہ پیش آیا بڑی جنگ اور قربانیوں کے بعد ۱۷۳۷ھ میں جب سندھ میں قومی حکومت قائم ہوئی تو بھی سندھیوں نے سکھ کی سانس نہیں لی۔ کیوں کہ صرف دو سال بعد یعنی سچل سرمست کی ولادت والے سال ۴۰-۱۷۳۹ء میں نادر شاہ سندھ پر آسمانی بجلی بن کر گرا ارغونوں اور مغلوں کے خلاف دوسو سترہ برس کی طویل جنگ کے بعد ایرانی، افغانی حملے ریاستی اندرونی لڑائی اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں نے سندھی قوم کو ذہنی اور اعصابی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔

ابتدا میں دینی مدارس، مساجد اور علماء کرام سندھی عوام کی اخلاقی قدروں، روحانی سکون اور سیاسی الجھنوں کو سلجھانے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ مگر یہ بھی اپنا اعتماد کھو بیٹھے تھے۔ جب تغلق نے سندھ پر حملہ کیا تو بہت سندھی علماء نے تغلقوں کا ساتھ دیا اور سندھ کی فتح کیلئے دعاؤں اور وظیفوں میں مشغول رہے۔ کچھ امیر لوگوں کی دعوتوں میں اعلیٰ طعام کھاتے رہے۔ کچھ گوشہ نشین ہوگئے۔ کچھ بزرگوں والی عبائیں پہن کر صاحب کرامات بن گئے سندھ ان کی دعاؤں سے فتح تو نہیں ہوا مگر عام لوگوں کی رائے اُن کے خلاف ہوگئی۔ سچل سرمست نے ایسے انسانوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ہے۔

جب ارغونوں نے سندھ پر حملہ کیا تو پہلے سید شکراللہ کو بھیجا گیا ان کے ساتھ تین علماء کرام بھی تھے تینوں سادات تھے یہ وقت کے بڑے علماء اور زاہد مانے جاتے تھے پانچواں ساتھی سندھ کا مشہور عالم اور شاعر قاضی قادن تھا۔ انہوں نے سندھیوں پر جو ظلم اور زیادتیاں کروائیں وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

مغل دور میں جو علماء زاہد، شیوخ اور بزرگ دہلی دربار سے وابستہ رہے اُن کی بھی طویل فہرست ہے۔ اُن کی سندھ میں پیری مریدی تھی اسی طرح وہ اچھا اثرو رسوخ رکھتے تھے کچھ تو کرامات کی وجہ سے مشہور تھے اُن کی کرامات کی شہرت غیروں کا طرفدار ہونے کا ثبوت ہے، کیوں کہ حکومت وقت کے کارندے کسی بزرگ کی کرامات کو شہرہ دلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں یہی اُن کے مفاد کو مضبوط کرنے کا بہترین اور مفید ترین طریقہ ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ علماء اور بزرگوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے تفرقے بازی کو ہوا دی تا کہ زیادہ مذہبی ٹولے وجود میں آجائیں اور وہ آپس میں لڑتے رہیں ،امن اتحاد اور بھائی چارہ ختم ہوجائے۔ جب شیخ مشائخ پیر اور بزرگ ایسی تعلیم دیتے رہے تو سچل سرمست بانگ بلند عوام کو پکارتے اور بیدار کرتے رہے۔

مذاہب نے ممالک میں لوگوں کو الجھادیا
شیخوں، پیروں اور بزرگوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا
کوئی جھک کر نمازیں پڑھتا ہے کچھ نے مندر آباد کیئے
افسوس کہ عقل والے عشق کے حضور نہ آئے

احمد شاہ ابدالی شاہ فقیر اللہ علوی کا مرید تھا وہ جب سندھ میں داخل ہوتا

تھا تو مرشد کی عقیدت کی وجہ سے ننگے پاؤں چلتا تھا۔ نہ صرف اُس کے پاؤں ننگے ہوتے تھے مگر اس کی تلوار بھی میان سے باہر رہتی تھی وہ جب سندھیوں کا قتل عام کرتا تھا، گاؤں اور شہروں کو آگ لگا کر لوٹ مار کرتا تھا، تو بھی مرشد کے ادب سے پاؤں میں جوتا نہیں پہنتا تھا۔ دیندار بھی اس حد تک تھا جہاں مولوی، مدرسہ اور مخدوم کو دیکھتا تھا تو وہاں ادب سے چلا جاتا تھا وہ مدرسے، مولوی اور مخدوم کی مالی امداد کے طور پر بڑی رقم بطور نذرانہ دیتا تھا وہ یہ دولت افغانستان سے نہیں لاتا تھا مگر سندھ میں لوٹ مار سے جمع کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ سندھ کی اس لوٹ مار میں اکثر شیخ مشائخ، ملا مولوی معلم مخدوم اور مرشد، احمد شاہی پٹھانوں کے ساتھ شریک تھے یہ ہی سبب ہے کہ سچل سرمست نے فرمایا۔

سچل سائیں ذہانت، قابلیت اور اللہ کی دین کے مالک تھے۔ وہ اس قسم کے خراب ماحول اور انسان دشمن رسومات کے پیرو کار نہیں تھے آپ کی شاعری کا ایک ایک لفظ سماج کے روایتی اور فرسودہ اصولوں، انسانیت کو نقصان دینے والی رسومات اور رواج کے خلاف اعلان بغاوت بلکہ اعلان جنگ تھا بادشاہوں کے چیلوں نے یہ مشہور کیا تھا کہ مسلمان بادشاہ میں سات ولیوں جتنی طاقت ہوتی ہے۔ پھر وہ چاہے کسی قوم پر اتنا ظلم کرے کہ وہ قوم سات پشتوں تک سنبھل نہ سکے بادشاہ سلامت کو ''ظل اللہ'' کہا جاتا تھا۔ پھر چاہے وہ خدائی سایہ اگر عوام کا قتل عام کرائے تو بھی جائز اور معاف ہے۔ اللہ تعالےٰ کو فقط سجدہ کیا جاتا ہے مگر بادشاہ سلامت کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین کو چومنا لازماً ٹھہرایا گیا تھا۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل لڑائیوں نے سندھ کے

باسیوں کو کمزور، نادار، لاوارث اور بنا دیا تھا۔ ان کی شخصیت ان کے وجود سے الگ ہوکر رہ گئی تھی، وہ اپنے آپؐ کو حلال جانور کی طرح ہر موقعے اور وقت پر قربان ہوتا محسوس کرتے تھے۔ اُن کے بچاؤ کے تمام دروازے بند ہوگئے تھے۔ ایسے مشکل وقت میں درازا کے درویش کے پاس ان کو سکون میسر ہوا تسلی اور تشفی ہوئی۔

اُن کو گھنی چھانو، سایہ اور آسرا ملا، عزت ملی اور احترام ملا ذہنی الجھن اور گھٹن کے بعد انہوں نے سکون کی سانس لی، ان کو اپنی گمشدہ شخصیت دوبارہ ملی نئی سوچ، نیا فکر اور نئی راہیں ملیں، جن کے ذریعے ان کو اپنی منزل نزدیک نظر آنے لگی۔

سچل سائیں نے اپنی سماع کی محفلوں میں سندھیوں کو جدید سندھی قومیت کے اصول عطا کئے جن کی بنیاد حب الوطنی، مذہبی رواداری، قومی غیرت اور خودشناسی پر مبنی تھی۔

شاہ دراز اور اناالحق آواز

منصور حلاج کا جنم ۲۴۴ھ البیضا کے مشرق جانب ایک گاؤں میں ہوا۔ اُن کا نام حسن رکھا گیا والد کا نام منصور تھا جو ایک جولاہا تھا جسے عربی زبان میں حلاج کہا جاتا ہے اسی طرح وہ اپنے نام سے زیادہ منصور حلاج کے نام سے مشہور ہوا۔ حق اور سچ کہنے اور نعرہ اناالحق بلند کرنے کے سبب اُن کو بڑی شہرت ملی۔

سولہ برس تک حلاج اپنی تعلیم حفظ قرآن، صرف نحو، اور تفاسیر مکمل کرلی تھی ۲۶۰ھ میں وہ تستر آیا اور یہاں شیخ سہل بن عبداللہ کے مدرسہ سے وابستہ ہوگئے۔

حسین بن منصور ۴۶ کتابوں کے مصنف تھے جن کے موضوع تصوف، الاہیات، علم الکلام اور فلسفہ ہے۔ منصور حلاج نے جو تعلیم دی ہے ان کی کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ وہ اول بھی ہے تو آخر بھی ہے نزدیک بھی ہے اور دور بھی ہے ان کے مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

☆ نبی کریم کا نور کائنات کی تخلیق سے پہلے تھا۔ آپ کا اسم مبارک الاہی فلک سے پہلے موجود تھا۔ آپ سارے عالم سے پہلے تخلیق کیے گئے تھے۔ آپ بنی نوع انسان کے سردار ہیں آپ کا اسم مبارک احمد ہے۔

☆ ابلیس بڑا موحد تھا اس سے اپنے رب کا یہ ہی حکم نہیں مانا جس سے اس کو شرک کی بوء آتی تھی۔

☆ صوفی وہ ہے جس کی ذات تنہا ہوتی ہے اس کو کوئی بھی قبول نہیں کرتا۔ وہ ہی اللہ پاک کا پتہ دیتا ہے اور اللہ پاک کی طرف اشارہ کرنے والا ہے۔

☆ اپنے نفس کو سنبھالو اگر تم نے اُن کو حق کی طرف راغب نہیں کیا تو وہ تم کو حق تعالیٰ سے دور کر دے گا۔

☆ حق تعالیٰ کے ساتھ رہو اس کے ذریعے حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔

☆ صبر کا مطلب ہے کہ دکھوں کی چکیوں میں پسنے والے اف بھی نہ کرے ان کو پھانسی پر لٹکا کر ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں پھر بھی وہ اپنے پروردگار سے شکایت نہیں کرے۔

منصور کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا اس نے اف بھی نہیں کی۔

☆ جنت کا راستہ دو قدم پر ہے۔ آپ دو قدم چل کر وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ پہلا قدم یہ ہے کہ دنیا کو دنیا کے عاشقوں کے منہ پر دے مارو۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ آخرت اُن کے چاہنے والوں کے حوالے کر دو۔

☆ وہ ہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی باطن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ منصور ایک بڑا عالم، صوفی بزرگ اور شاعر تھا۔ اُن کا عربی دیوان موجود ہے جو صوفیانہ شاعری کی اعلیٰ مثال ہے۔

منصور بڑے عاشق رسولؐ تھے اُس کا ثبوت اُن کی کتاب ''طواسین'' ہے ان کو ایک سازش کے تحت الزام لگا کر ملا، مولویوں اور قاضیوں سے فتوائیں لے کر تشدد کر کے اُن کو پھانسی پر لٹکایا گیا یہ ہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے صوفی شاعر نے ملا، مولوی اور قاضی کے خلاف اشعار کہے ہیں۔

حلاج سے پہلے بایزید بسطامی (وفات ۲۶۱ھ) سکر کی حالت میں سبحان اللہ کے بجائے ''سبحانی ما اعظم شانی'' کہا جس کا مطلب ہے میں پاک ہوں کتنی بڑی

میری شان ہے۔

سچل سرمست نے بسطامی کی اس بات کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے فرمایا۔

بسطامی کیہی بات کہی ہے، کوئی سمجھن والا ہوءِ

یعنی بسطامی نے کیا بات کہی ہے کاش کوئی اُس کو سمجھنے والا ہو

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سچل سرمست بسطامی کے مقام سے واقف تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ سچل نے بسطامی کے اس نکتہ کی تعریف کی مگر اس بات پہ افسوس بھی کیا کہ بسطامی کی یہ فکر انگیز بات سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔

حلاج نے ایک دن مسجد میں اپنے دوست ابوبکر شبلی سے کہا کہ اناالحق والحق بالحق یعنی میں حق ہوں اور حق، حق کے ساتھ ہے۔

یہ ہی منصور کی صدیوں پرانی بات آج بھی صوفیوں کے پاس عام ہے۔ صوفی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''حق حق، تو دوسرے بھی ''حق حق'' پکارتے ہیں یا کوئی ''حق موجود'' کہے گا تو جواب میں دوسرے ''سدا موجود'' کہیں گے۔

یہ ہی منصوری نعرے جتنے سندھ میں عام ہیں اتنے پاکستان کے دوسرے صوبوں میں ہندوستان یا دوسرے ممالک میں مشہور نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھی لوگ صدیوں سے صوفی منش رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک مشہور روایت ہے کہ منصور سندھ میں آیا تھا، وہ ملتان منصورہ اور ہنبل گیا تھا۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ۲۹۶ھ میں حنبلی فرقے والوں نے حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی

بھی ایک دن کیلئے اقتدار ابن المعتز ہ کو ملا مگر یہ بغاوت کچل گئی۔ اور ۱۴ برس کے المقتدر کو خلیفہ بنایا گیا پھر بلبلیوں پر عتاب نازل ہوا اس کی لپیٹ میں حلاج بھی آگیا، کیوں کہ اس بغاوت میں اس کے متعدد مرید اور عقیدتمند شامل تھے۔ اس کے بعد درباری سیاست کی جوڑ توڑ اور عباسی وزیروں کو ایک دوسرے سے بغض اور جلن کی ایک لمبی کہانی ہے۔

چھوٹے خلیفے کے کچھ وزیر حلاج کے حامی تھے تو کچھ ان کی جان کے دشمن بن گئے، ان حالات کو دیکھ کر حلاج سوس چلے گئے۔

سن ۳۰۱ھ میں حلاج کو گرفتار کرکے بغداد لے آئے اس بے بس انسان کو شکنجوں میں جکڑدیا گیا اور شکنجوں کو بیچ بازار رکھ دیا گیا۔

ان کے گلے میں ایک تختی پر ''قرمطی ایجنٹ'' لکھ کر لٹکا دیا۔

منصور کو مختلف جیلوں میں قید کرکے اذیتیں دیکر آخر ۲۴ ذولقعد ۳۰۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۹۹۲ھ پھانسی پر لٹکا دیا۔

غور سے دیکھو تو یہاں نہ تو الحق نعرے کا ذکر ہے نہ ہی حلول اور الوہیت کی بات ہے نہ لاہوت اور ناسوت کا بہانہ ہے الزام کی نوعیت سراسر سیاسی ہے۔

جب مقدمہ چلا تو کاروائی کے دوران اُن کی صوفیانہ گفتگو کو سیاسی رنگ دیا گیا مثلا کہا گیا کہ ''انسان ذات کے اندر جو کعبہ ہے وہ اینٹوں اور پتھر کے کعبہ سے بہتر اور افضل ہے اور اپنی ذات چاروں طرف طواف کرنا دیواروں کے گرد طواف کرنے سے بہتر ہے۔''

ان پر الزام لگایا گیا کہ ابن منصور کعبہ پر حملے کی سازش میں شریک ہے

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ان دنوں میں قرمطی باغیوں نے کعبہ پر مسلسل حملے کئے تھے، ان باغیوں نے بہت سے لوگوں کو شہید کیا تھا۔

اس قدر کہ کچھ برسوں کے بعد یہ سرکش قرمطی. ایک حملے کے دوران حجر اسود اٹھا کر بحرین چلے گئے تھے۔

تاریخ میں ایسی کوئی گواہی نہیں ملتی کہ حلاج اس سازش میں شامل تھا۔ حلاج نے تین حج کئے تھے پھر وہ کیسے ایسی سازش میں شامل ہو سکتا تھا۔

اسی طرح حلاج کا سندھ کا سفر بھی ایک بہانا بنا ان دنوں میں بہت سے قرمطی ملتان سے دیبل تک آباد تھے، مگر سندھ کے پاکیزہ تصوف پر حلاج کا گہرا اثر ہوا یہ بات اس کی دلیل ہے کہ حلاج کا سندھ کا سفر سیاسی نہیں بلکہ صوفیانہ اور روحانی تھا۔ اسی وجہ سے ہی حلاج کے اقوال آج بھی سندھ میں موجود ہیں۔

سندھ کی صوفیانہ شاعری منصور اور اس کے نعرے اناالحق سے سجی ہوئی ہے مگر حقیقت ہے کہ سندھی شاعری میں منصور سے محبت اور اس کے نعرے کو سب سے زیادہ سچل سرمست نے پذیرائی دی اور بلند آواز میں کہا۔

منصوری موج میں تھو انا الحق الایاں

یعنی میں منصوری موج میں اناالحق پکار رہا ہوں

فریدالدین عطار اپنی مشہور تصنیف ''تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔ ''منصور ایک دن جنید بغدای کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن سے کچھ سوالات پوچھے مگر جنید نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔ فقط اتنا کہا کہ ''وہ دن جلد آنے والا ہے جب تم لکڑی کے ایک ٹکڑے کو خون سے سرخ کرو گے'' منصور نے جواب دیا کہ

''جس دن میں اس لکڑی کے ٹکڑے کو خون سے سرخ کروں گا اُس دن تمہارے بدن پر اہل اصول کا جبہ ہوگا۔

سچ مچ ایسا ہی ہوا سچل سرمست نے اشارے میں یہ بات یوں کہی ہے۔

ایک اور کافی میں یہ ہی بات سچل سائیں نے اس طرح بیان کی ہے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں فرمایا ہے جب حلاج نے اناالحق کہا اور شریعت سے آگے نکل گئے تو اہل بصیرت نے اس فعل کو شریعت کے خلاف نہیں سمجھا صرف وہ لوگ جو اہل بصیرت نہیں تھے انہوں نے اس عمل کو شریعت کے خلاف سمجھا۔ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے والے عارف فیض اور سالکین کے خیال میں حلاج کا اناالحق کہنا اس لئے جائز ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ باطن کو ظاہریت پر فوقیت حاصل ہے۔ ابن منصور کو اناالحق کی ماہیت کا علم تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات سے باخبر تھے ان کو اناالحق کہنے کے وقت اس بات کا علم تھا کہ جو کچھ ہے وہ ذات باری ہے میں بھی اس ذات باری کی شعاؤں سے منور ہوں۔

یہ ہی بات سچل سرمست نے اپنے ایک شعر بیان کی ہے۔

منصور عربی زبان کے صوفی شاعر تھے اور سچل سرمست منصور کے عربی کلام سے بخوبی واقف تھے ان کا ثبوت سچل کی ایک کافی سے ملتا ہے۔

اس کافی میں'' ان فی قتلی'' کے الفاظ منصور کے ایک مشہور قصیدے کی طرف اشارہ ہے اس قصیدے کے ابتدائی شعر ملاحظہ ہوں۔

اور میری زندگی میں موت میں ہے۔

سچل سرمست نے منصور کی شہادت کا واقعہ اپنے کلام میں مختلف جگہوں پر

بیان کیا ہے مثال کے طور پر سچل سرمست نے اپنی ایک کافی میں کہا ہے کہ منصور کو پھانسی دینے کے بعد جلاکر اس کی خاک دریا میں بہا دی گئی۔

ایک یہ بھی روایت ہے کہ منصور کو سولی پر لٹکانے کے بعد ان کا سرکاٹ کر بدن آگ میں جلاکر کچھ راکھ مینار سے پھینک کر ہوا میں اڑادی۔ سچل سائیں کی کافی میں ''تھیاگم غبار'' اس طرف اشارہ ہے۔

دوسری روایت ہے کہ منصور کا بدن آگ میں جلاکر بعد میں اس کے جسم کی خاک دریا میں بہادی اس کا اشارہ سچل سرمست کی شاعری میں موجود ہے۔

آگ میں جلائے، لہروں میں بہائے اناالحق

شاہی فرمان صادر ہوا کہ منصور کو پتھر مارو وہ کافر ہے لوگوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے منصور کو پتھر مارے وہ خون آلودہ ہوگیا۔ پھر صبر سے سب کچھ سہتے رہے اُن کے دوست شبلی نے جب ان کو گلاب کا پھول مارا تو منصور سے چیخ نکل گئی۔ لوگ حیران ہوگئے منصور کو ملا مولویوں شہر کے معزز لوگوں نے پتھر مارے تو وہ مسکراتے رہے۔ مگر شبلی، جو ان کا دوست تھا اس نے پتھر کے بجائے گلاب کا پھول مارا تو اس نے چیخ کیوں ماری؟ منصور نے اس لئے چیخ ماری کہ مفتیوں قاضیوں اور سرکاری اہل کاروں نے پتھر مارے وہ اُن کے اُس مقام سے واقف نہیں تھے۔ مگر شبلی کو تو اس مقام کا پتہ تھا پھر اس نے ایسا کیوں کیا۔ منصور کو اس عمل پر دکھ ہوا اور اس نے زور سے چیخ ماری۔

منصور کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ ملاؤں نے فتوے دیے۔ سچل سرمست نے یہ بات اپنی ایک کافی میں بیان کی ہے۔

روایت ہے کہ حلاج نے ایک دن مسجد میں اپنے دوست ابوبکر شبلی سے کہا اناالحق والحق بالحق یعنی میں حق ہوں اور حق کے ساتھ ہوں۔ سچل سرمست نے منصور کر اس بات کو اپنی ایک کافی میں منظوم کیا ہے۔

منصور کے یہ ہی الفاظ سندھ میں صوفیوں کا نعرہ بن گئے صوفی فقیر آج تک بلند آواز میں یہ نعرہ لگاتے رہتے ہیں ایک پکارے گا ''حق حق'' تو دوسرا جواب میں بھی حق حق کہے گا یہ نعرہ اس طرح بھی لگایا جاتا ہے ''حق موجود۔ سدا موجود''۔

سچل سرمست نے اپنے سندھی کلام میں حلاج کا لفظ پانچ جگہوں پر استعمال کیا ہے اناالحق کا نعرہ سترہ جگہوں پر موجود ہے منصور کا نام سچل کے کلام میں ۱۹ مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ سچل کے سرائیکی کلام میں حلاج کا لفظ آٹھ جگہوں پر بیان کیا گیا ہے جب کہ اناالحق کا نعرہ بتیس ۳۲ مرتبہ استعمال ہوا ہے، اور منصور کا نام ۲۰ مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔

سچل سائیں کے اردو کلام میں اناالحق کا نعرہ آٹھ مرتبہ نظر آتا ہے اور منصور کا نام پانچ جگہوں پر موجود ہے۔

اسی حساب سے سچل سائیں کے سندھی، سرائیکی اور اردو کلام میں حلاج یا منصور کا نام ۴۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے اگر فارسی کلام کو بھی شامل کیا جائے تو منصور حلاج کا نام اور اُن کے نعرے اناالحق کی تعداد سو ۱۰۰ سے زیادہ ہوجائے گی۔

سچل سرمت کی صوفیانہ شاعری

سچلؒ سرمست وحدت الوجود کے پیروکار تھے۔ انہوں نے اپنی سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی عاشری میں اس کی تشریح کی ہے۔ تصوف میں انہیں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بعد انہیں سندھی زبان کا ممتاز شاعر سمجھا جاتا ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں جمال ہے تو سچلؒ سرمست کی شاعری میں جلال اور وہ اسی جلالی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سچلؒ سرمست نے بار بار یہ تلقین کی ہے کہ کائنات کی ظاہری کثرت میں بنیادی وحدت کارفرماہے اور بنی نوع انسان کے رنگ اور روپ کی کثرت اسی وحدت میں سما جاتی ہے۔ اس لحاظ سے لوگوں میں ذات پات، اونچ نیچ، فرقہ، طبقہ اور عقیدہ کی موجودگی کی کوئی وقعت نہیں ہے یعنی سب انسان برابر ہیں کیونکہ لہر اور بحر کی اصلیت ایک ہی ہے۔

فرماتے ہیں:

نیست جز دریا رواں چیزی دگر
موج اندر موج می آرد بسر

ایک سندھی شعر میں فرمایا ہے:

''یعنی تم جسے موج سمجھ رہے ہو وہ خود مہران (دریا) ہے۔''

سچلؒ سرمست کا پیغام آفاقی ہے۔ وہ زمان و مکان کی حدود کا پابند نہیں۔ انھوں نے مذہب و ملت، ملک و وطن اور زبان وغیرہ کی حدود پاکر کے ایک ایسی ہمہ گیر تعلیم تبلیغ کی ہے جس کی دنیا کے ہر ملک اور قوم کو ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں۔

نا میں ملا، نا میں قاضی، نا میں سبق پڑھاواں
نا میں کعبہ، نا میں قبلہ، کے مول نہ جاواں
نا میں سنی، نا میں شیعہ، سید کین سڈاواں
نا میں نانک، نا میں پچھمن، گنگا مول نہ جاواں
یار تہ میڈا درس درازی ''سچو'' ناں سڈاواں

''یعنی نہ میں ملا ہوں، نہ قاضی اور نہ میں کسی کو درس دیتا ہوں۔ نہ میں کعبہ ہوں نہ قبلہ اور نہ ہی میں کے جاتا ہوں۔ نہ میں شیعہ ہوں نہ سنی اور نہ ہی اپنے آپ کو سید کہلواتا ہوں۔ نہ تو میں گرونانک ہوں اور نہ پچھمن، میں گنگا بھی نہیں جاتا، میرا رہبر تو درازی (عبدالحق) ہے اور میں خود ''سچو'' کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچل سرمست مذہب و عقائد کی قیدوبند سے آزاد ہوکر سوچتے تھے۔ وہ انسان دوست صوفی بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی ہستی کو خود میں گم کر دیا تھا اور تمام مقدس مقامات ان کے دل پر نقش ہوچکے تھے۔

سندھ کے جن صوفی شعراء نے وحدت اور انسانی عظمت کا درس دیا، ان میں سچل سرمست کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے انسان کو اپنی عظمت، اعلیٰ حیثیت اور حقیقت کی یاد دلائی ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اپنے آپ کو خالق کائنات کا خلیفہ ہونے کا اہل ثابت کرسکے۔

سچل سرمست تصوف میں وحدت الوجود کے مسلک سے وابستہ تھے اس مسلک اور نظریے کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قرب اور روشنی ساری کائنات پر چھائی ہوئی

ہے اور خدائی صفات کا مرکز صرف انسان ہے جو احسن تقویم کی تفسیر ہے۔ مسجود ملائک ہے اور جس میں اللہ پاک نے اپنی روح پھونکی۔ سچل سرمست مجسمہ عشق تھے۔ وہ عشق کو عطائے الٰہی سمجھتے تھے فرماتے ہیں۔

عشق عطائے الٰہی ہے
نہیں کوئی کسب کموں دا
"عشق کسب نہیں بلکہ
عطائے الٰہی ہے"

سچلؒ سائیں اس عشق سے مست الست ہوئے
فرماتے ہیں

جھن دل پیتا عشق دا جام
سا دل مست و مست مدام
یعنی جس نے پیا ہے عشق کا جام
وہ دل مست و الست مدام

سلطان باہو نے عشق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ایمان سلامت ہر کوئی منگے، عشق سلامت کوئی ھُو
جیہڑی منزل عشق پچاوے، ایمان خبر نہ کائی ھُو

شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشاءِ لبِ بام ابھی

سچلؒ سرمست کے مطابق انسان اپنی نادانی، جہالت اور دوئی کی وجہ سے وحدت کی حقیقت اور اپنی عظمت کو بھلا بیٹھا ہے جس کی وجہ سے وہ غلامی اور پستی کی زنجیروں میں پھنس کر ذلت کی زندگی گزار رہا ہے حالانکہ اس میں وہ الوہی اوصاف موجود ہیں جن کی وجہ سے فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ سچلؒ سائیں فرماتے ہیں:

''اے انسان! تمھیں یہ حقیقت نہیں بھلانی چاہیے کہ تم آدم نہیں ہو۔ تم باغ میں بلبل کی طرح چھپ کر بولیاں بول رہے ہو۔ یہ تمھاری مٹی کا پتلا ہی تھا جسے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ تم احدیت سے ہی عبدیت میں آئے۔ بندہ کہلائے، ورنہ تم تو خود ہی انمول تھے۔ انسان صفاتی صورت میں اس جہاں میں آیا ہے اور وہ اس کائنات میں مظہر ذات الٰہی ہے جو خالق کا پر دلالت کرتا ہے۔''

انہوں نے فرمایا:

''درحقیقت انسان خود ہی سلطان ہے اور صرف اپنا تماشا دیکھنے کے لئے انسانی جامہ پہن کر آیا ہے''۔

سچلؒ سرمست فرماتے ہیں:

''وہ اپنے آپ کو پہنچاننے آیا ہے ورنہ اُس کا اور کوئی کام نہیں تھا۔''

سندھ کے معروف ادیب مرحوم عثمان علی انصاری نے اپنی کتاب ''سچلؒ جو سندھی کلام'' میں لکھا ہے۔

''سندھ کی ادبی دنیا میں سچلؒ ہی ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ محض

اس لئے خراج تحسین پیش کرنے میں بخل سے
کام لے رہا ہے کہ اس طرح ان کے عقائد
کو ٹھیس لگتی ہے۔۔۔ سچلؒ کے کلام میں اس
قدر خوبیاں موجود ہیں کہ وہ نہ صرف
مسلمانوں پر بلکہ غیر مسلم گروہ کے دلوں پر
بھی حکومت کرتے ہیں اور وہ لوگ آپ کے
کلام سے نہ صرف لذات لسانی بلکہ تاثرات
روحانی بھی حاصل کرتے ہیں''۔

آپ کے نزدیک مسلم و غیر مسلم اور امیر و غریب یا باالفاظ دیگر بنی نوع انسان کے درمیان کسی قسم کی تفریق ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ محبت کی بنیاد اتحاد روحانی پر منحصر ہے اور عاشق و محبوب کی روحیں دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ آپ نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا اُسے شعر کا جامہ پہنایا اس لحاظ سے ان کے کلام کا ہر لفظ منزل مقصود حاصل کرنے کے لئے ایک درس عمل ہے۔

پروفیسر عطا محمد حامی مرحوم نے اپنی تالیف ''منصور ثانی حضرت سچلؒ سرمست'' میں آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت سچلؒ سرمست سے پہلے سندھی شاعری
صرف قدیم دوہے اور وائی یا کافی پر مبنی تھی۔

سچلؒ سرمست نے ان دونوں اصناف سخن پر طبع
آزمائی کی۔ سندھی دوہے کی زمین حضرت شاہ
عبداللطیف بھٹائی نے پہلے ہی ہموار کررکھی تھی
لیکن اس کی آبیاری اور گل افشانی کا کام سچلؒ
سرمست نے کیا۔ سچلؒ سرمست پہلے شاعر ہیں
جنہوں نے ''ہیر رانجھا'' کی داستان کو اپنی
شاعری کا موضوع بناکر سندھی ادب میں ایک
گرانقدر اضافہ کیا۔''

حضرت سچلؒ سرمست اپنے دور کے بے نظیر شاعر تھے۔ آپ کے بعد سندھ میں آج تک آپ کے رتبہ کا شاعر پیدا نہیں ہوسکا۔ آپ ایک مجذوب سالک اور اسرارِ الٰہی کے عارف تھے۔ تصوف کا ایسا کوئی نکتہ نہیں جسے حضرت سچلؒ سرمست نے نمایاں نہ کیا ہو۔

آپ کا کہنا ہے کہ اصل میں دنیا بحر عدم میں گم تھی لیکن جب ذات الٰہی نے اپنی صفات کے مظاہر کو ظاہر کرنا چاہا تو صرف ''کن'' کے اشارے سے یہ کائنات وجود میں آگئی اور یہ تمام ہنگامہ آرائی، ہستی سے نکل کر نمایاں ہستی کے نئے رنگ میں نمایاں ہوئی۔

سچلؒ سرمست نے یہ مضمون ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے:

ازاں ناچیز شد یک چیز پیدا
کہ او در ہر دوعالم شد ہویدا

اس کے بعد وحدت میں جب کثرت کی بزم آرائی ہوئی تو اس تمام بزم کا میرِ مجلس اور روحِ رواں حضرت انسان کو ہی قرار دیا گیا اور تخلیق کائنات کا تمام راز اس کے سینے میں سما دیا گیا، جس کے متعلق حضرت سچلؒ مست فرماتے ہیں۔

ندیدم سر از انسان بیروں

ہمہ ملک خدا گردیدہ ام من

. . . .

ہے بنائے عشق اصلا صورت انساں ضرور

صورت خالق سے ہے تخلیق آدم کا ظہور

. . . .

''جزوکل'' کوئی نہیں ان سب کی میں آواز ہوں

راز ہے انساں مرا خود بھی میں اس کا راز ہوں

ایک ہے وہ ایک سچ مچ کیا یہاں اور کیا وہاں

بھول جا تو غیر کو بس ہے یہی سچا بیاں

انسان کو جوہر کائنات اور اشرف المخلوقات بنا کر خدائی کی تمام باگ ڈور اس کے حوالے کر دی گئی، لیکن انسان نے دوسری مخلوق پر حکومت کرنے کے بجائے خود بنی نوع انسان پر حکومت کرنا شروع کر دی۔ سچلؒ سرمست انسان کی یہ حالت دیکھ کر ایک ہمدرد ناصح کی صورت میں اسے یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ:

سالک! تو عشق حق کے

طلسمات کو سمجھ

رشتہ دوئی کا توڑ کر اِک

ذات کو سمجھ

دوئی کا قلعہ مسمار کرکے کثرت کا طلسم توڑنے کے بعد وحدت میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ سچلؒ سرمست نے ہستیءِ وحدت کو خود اپنے میں دیکھا اور سب کچھ اپنا مظہر تصور کرکے ببانگ دہل فرمایا کہ:

آپ ہے تو اور اپنی صورت اپنے میں پہچان
اللہ اللہ کیوں کہتا ہے خود کو اللہ جان
سچل ایک ہے سب کا آقا چھوڑ دے ہم و گمان

مذکورہ منزل پر پہنچنے کے لئے انسان کو کسی بھی اکتسابی علم و ہنر کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ چیز شیوخ و مشائخ سے بھی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ امانت صرف عشق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔

شیوخ و مشائخ کے مکروفریب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

شیخ بزرگ مشائخ یارو! ہم مخدوم نہیں تھے
قاضی، پیر، معلم، ملا، دشمن تھے ہم سب کے
مکر و فریب کی وادی میں ہم قدم نہیں تھے رکھتے

عشق حقیقی کی راہ میں عقل و اختیار کا کوئی کام نہیں بلکہ وہاں میخانہ محبت سے صرف شراب بے خودی کی ضرورت ہے جس کے پینے سے خمارِ وحدت حاصل ہوتا ہے اور اس کی دائمی مستی سے ہی عشق الستی حاصل کرکے اسرارِ الٰہی کا راز حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مست رہے میخانہ اندر، مانگ لی ہم نے مستی
مستی کا جو راز نہ جانے اس کی یہ کم بختی
سچل سب ہیں جھوٹی باتیں، سچا عشق الستی

عشق الٰہی سے سالک کو اپنی ہستی کی تمام حقیقت معلوم ہوجاتی ہے اور وہ عبدیت کے پردے سے باہر نکل کر ''الوہیت'' کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔

اس منزل کے بعد سچلؒ سرمست نے اپنے وقت کی غلامانہ ذہنیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی اور علامہ اقبال سے ایک سو سال پہلے ''خودی'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ آپ کے کلام کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ آپ تقلیدی رسم و رواج کے بندھن توڑ کر حقیقی مراحل طے کرنے کی تلقین فرماتے ہیں:

سارے ملک کا مالک تو ہے عبدنہ خود کو جان
''لاخیر فی عبدی'' کا تو سچا سمجھ بیان
اپنے آپ کو تو خود اپنی صورت میں پہچان

سچلؒ نے فرمایا ہے:

توڑ رواج اور رسمیں ساری کام ہے یہ مردانہ
خود کو مت بیگانہ سمجھ خود تو ہے یار یگانہ
سچل عبد کا وہم بھلا دے شملہ باندھ شہانہ
چھوڑ گمان گدائی والا
شملہ باندھ لے شاہی کا

وحدت کا نقارہ بجا تو

شوق ہو شاہنشاہی کا

آپ وحدت کا نقارہ بجاکر بڑے وسیع پیمانے پر دنیا کو انسانی برادری کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ کی منزل ملا کے مذہبی فروعات سے بہت بلند ہے۔ آپ کے یہاں کسی قسم کی گروہ بندی نہیں بلکہ آپ کو ہر صورت میں اپنے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔

بے دینی نہیں بندے میں نہیں اس کا اسم اسلامی

ہندی، سندھی وہ نہیں ہرگز اور نہیں وہ شامی

پاک ہے وہ ہر حرکت سے اور کبھی نہیں آرامی

خود ہی خواجہ ہے خود اپنی کرتا ہے خدامی

سچل سرمست ایک بے نظیر قومی اور بین الاقوامی صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے انسانی برادری و مساوات کا درس دیا ہے۔ ان کا یہ آفاقی پیغام ہر دور میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

سچلؒ تاریخ تصوف۔ شعر

سچل سرمست درازا شریف میں ۱۷۳۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان تاریخوں کی اہمیت کا اندازہ اس طرح کیجئے کہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا جس کے بعد برصغیر میں طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ اور ۱۸۴۳ء جنگ میانی کا سال ہے جس میں انگریز نے اپنی جارحیت کی تلوار کو بالآخر مکر کے غلاف سے عریاں کرکے سندھ کی آزادی کا خاتمہ کیا۔ سچلؒ کی ستاسی سالہ زندگی اسی ڈیڑھ سوسالہ ہنگامی دور کے وسط میں واقع ہے۔

برصغیر کی تاریخ میں عام مشاہدہ ہے کہ مرکز کے کمزور ہونے پر صوبیداریاں خاص طور پر مرکز سے دور علاقوں میں خود مختار حکومتیں بن جاتی ہیں جن کا مرکز سے برائے نام تعلق رہ جاتا ہے اور جاگیریں جو کبھی شاہی منصب سے وابستہ ہوتی تھیں منصب سے بےتعلق ہوکر موروثی ہوجاتی ہیں اور مہم جو لوگوں کے سامنے اپنی قسمت آزمائی کے لئے میدان وسیع ہوجاتا ہے اور بیرونی حملہ آوروں کو تاخت و تاراج کے لئے کھلا ہوا راستہ مل جاتا ہے۔

سندھ میں کلہوڑوں کی حکومت ۱۸ ویں صدی کے آغاز میں قائم ہوگئی۔ سچلؒ نورمحمد کلہوڑا کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوئے کلہوڑا خاندان کی خانہ جنگیاں ان ہی کے سامنے ہوئیں۔ ان کے سامنے تالپور حکمرانوں کی حکومت پورے سندھ پر قائم ہوئی اور پھر وہ تین خطوں میں خیرپور، حیدر آباد اور میرپور میں بٹ گئی۔ پنجاب میں سکھ طاقت کا عروج انہی کی زندگی میں ہوا۔ اور ان ہی کی زندگی میں میروں اور انگریزوں کے درمیان وہ معاہدے شروع ہوگئے تھے جن کا اختتام بالآخر سندھ پر

انگریزوں کے ابتدائی عہد میں دلی کی حکومت کی نام نہاد بالادستی تھی۔ پھر سندھ کی حکومتیں افغانستان کی باجگوار بن گئیں ۔ اور آخر میں ایک طرف سکھوں کو تحفے تحائف کے ذریعے خوش رکھنے کی سیاست شروع ہوئی اور دوسری طرف سکھوں کے خوف سے سندھ اور بھی تیزی سے انگریزوں کے مضبوط جال میں پھنستا چلا گیا۔

۱۷۳۹ء میں جس سال سچلؒ پیدا ہوئے نادرشاہ نور محمد کلہوڑا کے تعاقب میں سندھ کو تاخت و تاراج کرگیا۔ ۱۷۵۳ء میں احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوا وہ سندھ کو تاخت و تاراج کرتا چلا گیا اور کلہوڑوں کی خانہ جنگی میں ایک کلہوڑا سردار کے ایما پر مدد خان پٹھان نے ۱۷۸۶ء میں پورے سندھ کو خاک سیاہ کردیا۔

جب مرکزی نظم و ضبط کا شیرازہ کمزور ہوجاتا ہے تو تمام سماجی ادارے اپنے سماجی کردار سے بے نیاز ہوکر طاقت اور ظلم کے چھوٹے چھوٹے متصادم منطقوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ جاگیردار اور زمیندار اپنی طاقت کو قائم رکھنے اور اس کو زیادہ بڑھانے کے لئے اپنے زیر دست لوگوں کو غلام بناکر رکھتے ہیں اور آپس میں لڑتے رہتے ہیں سادات کے مراعات یافتہ خاندان اور تصوف کے سلسلے بجائے روحانی اور اخلاقی تربیت مہیا کرنے کے پیری مریدی کے ظالمانہ اور عیارانہ شکنجے بن جاتے ہیں۔ علماء مراسم دین کو زیادہ سے زیادہ سخت اور تنگ بنا کر اپنی چودھراہٹ کو قائم رکھتے ہیں۔ اور یہ طبقات جب اپنے زیردست عوام میں کسی طرح شعور کی بیداری کے کچھ آثار پاتے ہیں اور ان کو اپنے طبقاتی مفاد خطرے میں نظر آتے ہیں تو اپنی آپس کی رقابتیں ملتوی کرکے اس ''بغاوت'' کو کچلنے کے لئے متحد ہوجاتے ہیں اور اس کام

میں بالا دست طاقت کی پشت پناہی بھی ان کو حاصل ہوتی ہے۔

سچلؒ کی پیدائش سے کچھ سال پہلے ہی سندھ کے شمالی اور جنوبی دونوں حصوں میں یعنی نظامت بکھر اور نظامت ٹھٹہ میں دو ایسے واقعات ہوئے جن کو ہم سچلؒ کی زندگی کا سیاسی پس منظر کہہ سکتے ہیں۔ نظامت بکھر میں نور محمو کلہوڑا کے لشکر نے ایک بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو ان کے دوسرے ساتھیوں سمیت مسجد میں قتل کردیا اور نظامت ٹھٹھہ میں جھوک شریف والے صوفی شاہ عنایت کا واقعہ پیش آیا۔ تمام مفسد عناصر یعنی جاگیردار سادات کے مراعات یافتہ خاندان، پیری مریدی کا پیشہ کرنے والے اولیاء اور لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے والے عالم اور حکومت کے ناظم اور نمائندے اس بات پر متحد ہوگئے کہ شاہ عنایت نے روحانی تربیت سے عوام میں جو انسانی شرف اور آزادی کا اور ظلم سے نفرت کا شعور بیدار کیا تھا، اس کو موت کی نیند سلادیا جائے اور وہ اپنے ظلم اور فریب سے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ دونوں واقعات کلہوڑوں کے زمانے کے ہیں جو خود پیری مریدی کے زینہ سے بام حکومت تک پہنچے تھے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں اکثر تحریکیں اقتدار کے زیر ہوس سیاسی مہم جوئی میں تبدیل ہوکر مصلحتوں اور سازشوں کے دلدل میں ختم ہوچکی ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں تصوف یا عرفان کے کئی سماجی سیاسی کردار رہے ہیں۔ پہلا دور بنی امیہ اور بنو عباس کی حکومت کا زمانہ ہے جب مسلمانوں کو دنیا کی حکومت حاصل ہوئی اور خلافت ملوکیت میں بدل گئی تو نہ صرف حکومت سے وابستہ لوگوں کے رہنے سہنے کا طریقہ بدل گیا بلکہ اکثر لوگوں کی امنگوں اور آرزوں، حتیٰ کہ

عقیدوں پر بھی ملوکیت کی چھاپ لگ گئی اور ایک طرح کا حکومتی اسلام لوگوں کے دل و دماغ پر چھانے لگا جس کی رو سے حکومت ہی دین کا مرکز اور دین کا نشان اور اس کو ہر قیمت پر مضبوط کرنا دین کی خدمت اور کسی طرح کی بھی مخالفت خدا سے بغاوت ہے اور کرسی کی پرستش عبادت ہے۔ طاقت اور نیکی میں عزت کا نہیں بلکہ رقابت کا رشتہ ہے اور ان میں ایک داخلی اور خارجی کشمکش جاری رہتی ہے۔

اس زمانے میں تصوف اور عرفان کا اظہار فقر اور زہد کی صورت میں ہوا۔ اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت اور حق کی ہدایت ان بزرگوں کا وطیرہ قرار پایا۔ یہ گویا دربار داری اور دنیوی شان و شوکت اور عیش و نعم کی دلدادگی، قرآنی اصطلاح میں تکاثر اور تغافر کے خلاف ایک خاموش لیکن جاذب توجہ اور مستقل احتجاج تھا۔ ان کی عزیمت اکثر حکام جور کے سامنے اعلائے کلمتہ الحق میں اور کبھی کبھی حکومت کی عملی مخالفت میں ظاہر ہوتی تھی۔ منصور حلاج اس دور کے خاتم سمجھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے دور کا تعلق فتنہء منگول سے ہے۔ منگول فتنہ کے ظاہر ہونے سے پہلے بنو عباس کے عہد میں معاشرتی شکست اور ریخت اور زوال وانتشار کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرفان کی حس بیدار نے آنے والے فتنے اور طوفان اور تباہی اور انتشار کا سراغ پالیا ہو۔ یہی زمانہ ہے جب انہوں نے اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کردیا تھا۔ اور تمام عالِم اسلام کے اندر اور باہر سفر کرکے آنے والے طوفان سے مقابلے کے لئے زندگی کے بیج بونے شروع کردیئے تھے. ہند و سندھ میں اولیاء کا ورود اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ تیسرا دور مسلمانوں کی سلطنتوں کے استحکام کا زمانہ ہے۔

معاشرے کا ایک قطب سلطانی دربار تھا اور دوسرا قطب درویشی خانقاہ تھی اورانہیں قطبین کی کشمکش سے معاشرے کا ادب اور تہذیب اور اخلاق رونما ہوتے تھے۔

برصغیر میں ایک طرف شاہی دربار تھا جس کا سیاسی اور ثقافتی اثر اوپر کے طبقات سے نیچے کی سطح تک پہنچتا تھا اور دوسری طرف خانقاہیں تھیں جن کے دائرہ عمل کا ایک سرا درباروں سے ملتا تھا اور دوسری طرف اللہ کی مخلوق کے لامتناہی میدان میں پھیلا ہوا تھا۔ ان سلطنتوں کا زوال تصوف کے سماجی و سیاسی کردار کا چوتھا دور ہے۔ یہی دور سچلؒ کا دور تھا۔ انتشار اور طوائف الملوکی کے ماحول میں خانقاہیں ایسی تھیں جیسے تندوتیز آندھیوں میں امیدو اطمینان کے چراغ روشن ہوں یا پریشان دل و دماغ کے لئے ایک حیات افزا جائے پناہ ہویا جب سمندر کی سطح پر طوفانی موجیں موت اور تباہی کا ناچ ناچ رہی ہوں تو زیر سطح گہرائی کے سکون میں نرم و سبک لہریں بدستور اپنا عمل جاری رکھ رہی ہوں۔

تاریخ کے زلزلوں میں زندگی کے تسلسل کو قائم رکھنے والی دو ہی حقیقتیں ہوتی ہیں جسمانی اعتبار سے دھرتی کا پوت کسان اور دنیا کا بوجھ اٹھانے والا مزدور اور روحانی اعتبار سے زندگی میں روشنی اور حرارت قائم رکھنے والا درویش۔ ان دو حقیقتوں کے سامنے تمام اُبھرنے اور مٹنے والی طاقتیں اور طبقات نقش برآب ہیں اور اسٹیج پر ظاہر ہونے والے اور غالب ہونے والے حکمران ایک تماشہ۔ درویش کو اس چیز کی ضرورت نہیں جو دنیوی حکمرانوں کے پاس ہے۔ دنیوی حکمران حاجتمند ہوتا ہے اس شے کا جو درویش کے پاس ہے اور اکثر اس ضرورت کا احساس اس کو درویش

کے آستانے پر کھینچ لاتا ہے۔ کلہوڑے درویش لطیفؒ سے اظہار عقیدت کرتے تھے۔ میرانِ خیرپور درازہ شریف کے خانوادے سے، مگر حکمرانوں کے دل میں درویش کی طرف سے ایک خوف رہتا ہے۔صوفی شاہ عنایت جھوک شریف والے کی شہادت اسی خوف کا نتیجہ تھی۔ اسی خوف نے شاہ لطیفؒ کو متعدد بار جان لیوا سازشوں کا شکار بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف درویش حکمرانوں کے ظلم سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی درویش حق کی تلاش کرتے ہوئے اور اللہ کی برکتوں کو عام کرتے ہوئے قریہ قریہ دریا کی طرح رواں رہتے ہیں اور کبھی صحرا میں ایک چشمہ کی طرح پیاسوں کو دور دور سے اپنی طرف کھینچ کر ان کو سیراب کرتے ہیں۔

سچلؒ بہت کم درازا شریف سے کہیں دور گئے۔ یہ سچلؒ کا روحانی ماحول تھا ہم ان کو سندھی روایت میں شاہ لطیفؒ کا وارث اور سرائیکی روایت میں سلطان باہوؒ اور خواجہ فریدؒ کی بیچ کی کڑی کہہ سکتے ہیں۔

شاہ لطیفؒ کی طرح سچلؒ بھی ایک خانوادہ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا خواجہ محمد حافظ جنہوں نے مراقبہ اور مجاہدہ میں ایک عمر گزاری تھی بڑی شان کے بزرگ تھے۔ سچل کی پیدائش کے وقت ان کی عمر قریب ۵۰ سال تھی۔ سچلؒ کی صغیر سنی میں شاہ لطیفؒ کی خواجہ محمد حافظ سے ملاقات بھی ہوئی تھی جس میں شاہ لطیفؒ نے سچلؒ کے لئے پیش گوئی بھی کی۔ شاہ لطیفؒ کے انتقال کے وقت سچلؒ کی عمر چودہ برس تھی سچل نے بچپن میں علوم متداولہ حاصل کئے اور ان کی روحانی تربیت ان کے دادا اور ان کے بعد ان کے چچا خواجہ عبدالحق کی نگرانی میں ہوئی۔

عرفان علم باطن ہے۔ یہ علم سماعی نہیں ہوتا بلکہ طبعی ہوتا ہے۔ سالک کے پیش نظر قاری بنا نہیں بلکہ قرآن بنتا ہوتا ہے۔ یہ فکری تصورات کا تجزیہ نہیں ہے بلکہ حقیقت واحدہ کا تجربہ ہے۔ زمانے اور انفرادی ظرف و مزاج کے لحاظ سے تجربہ کے انعقاد اور اظہار میں تبدیلیاں ہوتی ہیں، لیکن یہ تبدیلیاں ایک ہی لامتناہی حقیقت کے دائرہ کے اندر اس کے مختلف پہلوؤں اور متنوع شئوں کا کشف ہوتا ہے یہ تبدیلیاں تغیر ہیں تواتر نہیں ہیں۔

اس تجربہ کا اظہار زندگی کی ایک نہج میں ہوتا ہے۔ یہ تجربہ زندگی کا ایک نمونہ تخلیق کرتا ہے، صوفی کی نفسیات میں بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے۔ یہ معصومیت اس تخلیقی حیرت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو مظاہر میں حقیقت کی تجلی دکھاتی ہے اور حکمت تک پہنچاتی ہے۔ تمام مظاہر، تمام جاندار، تمام انسان، انسانوں کی صورتیں ان کی زندگی کے واقعات و حوادث ان کے حوصلے اور ناکامیاں ، ان کے معاملات اور دلی کیفیات، ان کی داستانیں اور لوک کہانیاں اسی حقیقت واحدہ کی علامات اور آیات بن جاتی ہیں ایک بڑے صوفی خواجہ حافظؒ نے انسانی بصیرت کو نارسائی اور کوتاہی بتائی تھی کہ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ صوفی ان افسانوں میں وہ حقیقت دیکھ لیتا ہے جس کی تلاش میں یہ افسانہ بنے انفس و آفات کی کائنات اس کے لئے حسن کا آئینہ خانہ ہے جس میں حق جلوہ گر ہے اور اسی لئے اسے کائنات کے ہر ذرہ سے اور ہستی کے ہر مظہر سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت تمام تضادات مٹا دیتی ہے ایک کی محبت سب سے محبت بن جاتی ہے۔ تصوف خدا مرکز انسان دوستی اور حسن شناسی ہے خدا سے تعلق کے لئے صوفی سب سے ترک تعلق کرتا

ہے اور اللہ تعالی اُس بے ہمہ قلندر کو ایک ایسے تعلق کے ساتھ باہمہ بنادیتا ہے جس میں کوئی غرض نہیں بلکہ خیر ہی خیر ہے۔ وہ خیر جو خیر و شر اور کفر و دین کے تضاد سے ماورا ہے۔ زندگی کی تمام رسوم کا تضاد مٹ جاتا ہے لیکن ایک محبت کا تضاد توباقی رہتا ہے۔ دنیا کی ساری کثرت وحدت میں بدل جاتی ہے لیکن بندہ منصور کے درجہ تک بھی پہنچ جائے جو سچل کا مقام کہا جاتا ہے اور خدا بندے تک جھک آئے اور بندہ خدا تک پہنچ جائے پھر بھی خدا خدا ہے اور بندہ بندہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا اطمینان ہوسکتا ہے کہ اپنا مقصود موجود ہے اس سے بڑھ کر کیا تڑپ ہوسکتی ہے کہ مقصود لامحدود ہے۔

لازمی بات نہیں ہے کہ ہر صاحب عرفان شاعر ہو، عرفانی تجربہ تو جیسا میں نے کہا تھا زندگی کا ایک اسوہ تراشہ ہے اور سب سے بلند شاہکار زندگی کا شاہکار ہے۔ زندگی کی معرفت رکھنے والا جانتا ہے کہ زندہ رہنا اعلیٰ ترین فن لطیف ہے لیکن جب اس زندگی کا اظہار بیان میں ہوتا ہے تو وہ شعر ہی کی زبان ہے اس تصوف میں جس کے لئے کہا گیا ہے کہ برائے شعر گفتن خوب است اور اس تصوف میں جس نے ایک انسانی اسوہ تراشا اور اس کو شعر کی زبان دی بہت فرق ہے یہ ایسا ہے جیسے دیگ پک ہی ہو اس کا ڈھکنا کھلا، فضا میں خوشبو پھیلی تو حساس شامہ رکھنے والوں کو کچھ پتہ لگا کہ دیگ میں کیا ہے یا جیسے کسی آتش خاموش سے شرارے اُڑ اُڑ کر ستارے بن رہے ہوں۔ سچل کی شاعری ان کا فن نہیں ان کی زندگی ہے۔ کہتے ہیں کہ شعر کی تخلیق کے وقت سچل" کی شعوری زندگی ٹھہری ہوئی ہوتی تھی جب اس بیخودی کے عالم سے باہر آتے تھے تو کہتے تھے کہ "یہ کسی اور نے کہا ہوگا، مجھے

یاد نہیں"۔ یہ گویا اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش تھی۔ اور اس کلام میں فن بھی ہے۔ یہ کلام مختلف زبانوں میں ہے۔ سرائیکی اور سندھی ان کی زبانیں ہیں فارسی اور اردو میں بھی کافی کلام ہے اور جس زبان میں کلام ہے اس کی معروف اصناف میں پُر اور اس زبان کی ادبی روایات کا بھی پورا پورا لحاظ ہے دوسرے شعراء کے کلام کی گونج بھی جابجا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ علم و فن و زبان پہلے درجے میں کب سے حاصل کی گئی ہیں۔ دوسرے درجے میں وہ شعور کا ایک حصہ بن گئی۔ تخلیق کے وقت حال کی کیفیت اس قدر شدید ہے کہ یہ تمام چیزیں تحت الشعور میں پہنچی ہوئی ہیں اب کسب سے کشف کا درجہ آگیا ہے اور کشف کو زبان دینے کے لئے یہ تمام چیزیں تحت الشعور سے اس طرح ابھر رہی ہیں جس طرح عام محسوسات اور مشاہدات اُبھر کر خواب میں تبدیل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جاگتا خواب ان کا نفس نہیں بلکہ ان کی روح دیکھ رہی ہے اس عالم وجد کے پیچھے بڑا ریاض ہے۔ سچل سرمت کی مستی میں بڑے سخت آداب ہیں اور اس خواب کو ابھارنے والی اور اظہار کو شکل دینے والی محرک موسیقی کا جادو ہے۔

موسیقی جو تمام فنون لطیفہ میں شامل ہے اور جس کی طرف تمام فنون لطیفہ دیکھتے ہیں۔ جس میں انتہائی تڑپ ہے اور انتہائی سکون و نظم ہے۔ موسیقی جو تمام تضادات میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ جو فن کو روح کی راگنی بتاتی ہے جسے سچل" سرمست اپنا طبیب کہتے ہیں یہ حقیقت ہے جس میں بیک وقت نشاط وصل ہے اور شکایت فراق بھی۔ میں اپنے اس بیان کو حافظ کے دو شعر غالب کے ایک شعر اور

سچلؒ کے پانچ شعروں پر ختم کرتا ہوں

بابلی برگ گلی خوش رنگ در منقار داشت
داندماں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
کشمکش در عین وصل عین نالہ فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق را این کار داشت

(حافظ)

وہ جو کہے کہ وصل میں کیونکہ، ہو شوق کا زوال
موج میط بحر میں مارے ہیں دست و پا کہ یوں

(غالب)

بلبل کو برہ پہنچا آئی ہے رت بہاراں
فریاد وصل اس کی ہے مثل بے قراراں
میں نے یہ اس سے پوچھا عاشق ہے توگلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زارزاراں
منقار ہے گلوں پر پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں
بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے میرے لئے نگاراں
آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سچل میں چھوڑوں نہیں پکاراں
(سچل)

ادھر اُدھر اسی صاحب کی ساری صورت ہے۔ اور وہی چو طرف چودھاری جلوگرہ ہے۔
وہ کہیں بلبل کہیں گل اور کہیں باغ بہاری ہے، کہیں ابھی بسم اللہ کی منزل ہے اور
کہیں خاص خماری کیفیت، کہیں گوشہ نشینی کا عالم ہے اور کہیں شاہ شکاری کا انداز،
کہیں دو زانو ہوکر ورد جاری ہے، اور کہیں سیل سواری ہے۔ کہیں مومن، کہیں کافر،
کہیں شیخ مشائخ، کہیں حافظ، کاتب اور قاری، کہیں چاند ستاروں کی آب و تاب اور
کہیں سورج کا جلال و جمال، کہیں عاشق تو کہیں معشوق وہی حکم چلانے والا حاکم
ہے اور وہی ظاہر وہی باطن یہ سب جلوے اسی کے ہیں۔''

اس قسم کی وحدت الوجودی کیفیات ان کی تمام کافیوں میں رچی بسی ہیں جو
ایک طرف تصوف اور اقدار تصوف سے سچل سائیں کی قلبی وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں
اور دوسری طرف ان کے مطالعہ سے یہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ فن موسیقی اور فن
شاعری کے کیسے کیسے خوبصورت اور ندرت آفریں تجربات اُنہوں نے اس صنف سخن
میں کئے ہیں۔ سچل سائیں نے شاعری کو نام و نمود اور مال و دولت، اور حصول جاہ
وحشمت کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ بہر طور اور بہر حال انسان، انسانیت اور خالق کائنات
سے جتنی بے لوث محبت کے اظہار کا وسیلہ تصور کیا وہ اپنی محبت کو کسی ایک پیکرناز کی
مجسم اور حسن و مظاہر کی تب و تاب تک ہی محدود نہیں رکھتے ان کی والہانہ محبت
دنیائے آب و گل کی عمومی سطح سے اوپر اٹھ کر جب حسن و صداقت کی لافانی اور
ماورائی دنیا میں داخل ہوتی ہے تو خیال و نظر کی منصور صفاتی نوائے سرمدی کا رویہ
دھار لیتی ہے اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

''اے دوست میں نے آب حیات پی لیا ہے۔ یہ پیالہ پیتے ہی میرے تن

میں تجلیات کی لہر دوڑ گئی ہے میرا خیال کہیں بھی نہ رکا اور رکاوٹوں کی ظلمات کو عبور کرگیا تو خود بھی ایک وجود ہے جو تجھ میں ایک ذاتِ بالا کی صفات موجود ہیں تو جو کچھ بولتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے یہی نفی اور اثبات ہے۔"

"میں خدائی ہوں اور میں خدا ہوں اپنی زبان سے یہ کلمات ادا کر یقین رکھ یہاں سے جو جاتا ہے وہ ہرگز نہیں مرتا۔ اے سچل کبھی کبھی تو میں وہاں پہنچ جاتا ہوں جہاں دن رات نہیں ہوتے۔"

خیال و نظر کی یہی مجذوبی سچل سائیں کے مسلک حیات میں عین حیات ہے وہ اندیشہ ہائے گوناگوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے یہی سبب ہے کہ ان کے جذبہ شوق کی توانائی ایسے توانا اظہار پر قادر ہے، جو ریاکاری منافقت تنگ نظری، تعصب اور حرص و ہوا سے دور کا بھی واسط نہیں رکھتی ان کی وسعت نظری کشادہ طبعی اور ہمہ گیر انسانی محبت اول آخر روح کی ازلی و ابدی راگنی کو اپنے تن من میں سموئے رہی اور آفاقی قدروں کے ساتھ عالمگیر انسانی محبت کی سدا بہار کیفیتوں کا انتہائی دل آویز مظہر بن کر کچھ اس طرح ابھری کہ دیکھتے ہی دیکھتے فضائے بسیط پر چھاگئی اور عوام و خواص کے دلوں پر اتر گئی۔

سچل سرمست کی اُردو اور فارسی شاعری

اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع دوم میں، سندھ کی سرزمین پر، خیرپور کے قریب، درازا شریف میں ایک شاعر پیدا ہوا، جو سندھی اور سرائیکی (ملتانی) زبانون میں غوامض تصوف والہیات کے چہرے سے جہلِ علم کی نقاب اٹھا کر، وحدت الوجود کے بے روک ٹوک جلوے دکھاتا تھا اور بنی نوع انسان کی غمخواری اور کمزوروں کی دستگیری کا وہ عالم گیر پیغام سناتا تھا، جو انسانیت اور مساوات کی دنیا میں آج دوسو برس گزر جانے کے بعد بھی اپنی پوری قوت اور تاثیر کے ساتھ زندہ ہے اور آئندہ بھی جب تک ضمیر اور احساس میں ذرا سی بھی جان باقی ہے زندہ اور پائندہ رہے گا۔ اس شاعر کا نام تو عبدالوہاب تھا، لیکن اس کے پیغام کی سچائی اور کلام کی سرمستی کی بنا پر لوگ اسے شروع ہی میں سچل اور سرمست کے القاب سے خطاب کرنے لگے تھے اور اب وہ ان ہی مقدس ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

سچل سرمست کو سندھ کے نخلستان کا گلِ سرسبد ہونے کی بنا پر عام لوگ صرف سندھی اور سرائکی کا شاعر خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ان دو زبانوں کے علاوہ اُردو اور فارسی میں بھی کم و بیش دس ہزار شعر کہے ہیں جن میں سے غزلیات کا ایک ضخیم مجموعہ، دیوان آشکارا، کے نام سے قبل از تقسیم شکار پور (سندھ) کے ایک ادارے نے شائع کیا تھا۔ یہ مجموعہ فارسی کی کئی سو غزلیات اور اُردو کی ساٹھ ستر غزلوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ سندھی ادبی بورڈ کراچی نے سچل کے سرائکی کلام کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے جس کے آخر میں اُردو کی پچاس غزلیں بھی درج کی گئی ہیں۔ لیکن ان میں اکثر وہی ہیں جو اس سے پہلے دیوان آشکار میں

شائع ہوچکی ہیں۔ غرض کہ اس طرح سچل سرمست کی اُردو غزلیات کے تقریباً پانسو اشعار منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اگرچہ یہ غزلیں شاعرانہ صنعت گری اور خیال آفرینی کے نقطۂ نگاہ سے جو اُس زمانے کے متغزلین کا عام موضوع تھی، کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اُردو غزل میں تصوف اور اخلاق کے مضامین ایک صنفِ سخن کے طور پر شامل کیئے جانے کی تاریخ میں انہیں اپنی زبان اور اندازِ بیان کی فطری سادگی کے ساتھ ایک خاص محل و مقام حاصل ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس مقام پر یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ ۱۷۳۹ء میں جب کہ سچل پیدا ہوئے، اُردو زبان اصلاح و تہذیب کی ابتدائی منزلیں طے کررہی تھی۔ سچل نے تقریباً ۱۷۵۴ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس وقت ولی دکنی وفات پاچکے تھے۔ انعام اللہ خان یقین کا آخری وقت تھا۔ قائم چاند پوری، خواجہ میر درد، اور میرتقی میر کی شاعری کا چرچا شروع ہوچکا تھا۔ نظیر اکبر آبادی نے شعر گوئی کی بسم اللہ کی تھی اور راسخ ابھی مکتب میں ابتدائی درسیات پڑھ رہے تھے۔ ان تاریخی حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم سچل کی اُردو غزل کا جائزہ لیتے ہیں اور اُس میں ہمیں نفی اثبات، فنا وبقا، حال و قال، اناالحق اور وحدت الوجود کے پردے چاک ہوتے نظر آتے ہیں، تو ماننا پڑتا ہے کہ سچل اُن سابقین کی صف میں شامل کیئے جانے کے مستحق ہیں جنہوں نے الٰہیات اور اخلاقیات کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے اُردو غزل میں شامل کرکے اس صنفِ سخن کا مرتبہ و مقام بلند کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سچل میں ایک امتیازی وصف بھی نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنے عہد کی شاعری کے عام ماحول سے متاثر ہو کر اپنی غزل میں تفنن کے طور پر بھی بے مطلب اور سطحی باتوں کو جگہ نہیں دی۔

علاوہ ازیں غزل میں معاشرے کی اصلاح حال کے لئے وعظ و پند کا طریقہ جس نے حالؔی کے دور میں خوب فروغ پایا۔ اُس زمانے کے شعراء میں سچل کے یہاں ایک نمایاں عنصر کے طور پر پایا جاتا ہے۔ وہ ایک مقام پر کہتے ہیں:

جب عشق میں سر نہیں دیا دو جگ جیا تو کیا ہوا
ملا کتابیں کھول کر مسئلہ پڑھا تو کیا ہوا
پڑھتا عمل کرتا نہیں عالم بنا تو کیا ہوا
جوگی جگت کرتا نہیں کپڑا رنگا تو کیا ہو

پہلے شعر کے مصرع اول میں سچل نے ''نہیں ''بروزن نئی'' (ء دبا کر) نظم کیا ہے۔ ان کے دور کے دو سرے شعراء بھی اس لفظ کو اکثر اسی طرح نظم کرتے تھے۔ سراؔج اورنگ آبادی کہتے ہیں:

دیدار دے شتابی جلنے کی تاب نہیں ہے
اس ہجر کی لگن سیں دوزخ کی آگ اوٹی

(کلیات سراؔج۔ ص ۱۳۶)

شعروں میں ''نہیں'' کا اس طرح تلفظ حالؔی کے وقت تک جائز سمجھا جاتا تھا چنانچہ مولانا خود فرماتے ہیں:

جب اب تب تجھ سا نہیں کوئی
تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی

مناجات بیوہ۔ ص ۳

مصرع ثانی میں سچل نے ''مسئلہ کو بہ اسقاط ہمزہ نظم کیا ہے۔ اُس وقت کے دوسرے اساتذہ بھی حرف اصلی کے اسقاط کو درست سمجھتے تھے چنانچہ سراج اللہ خاں یقین نے ''بنفشئی'' کو ''بنفشی'' بہ اسقاط ہمزہ نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں

اس بنفشی پوش سیں مت مل رقیب زر درد

کیا توں شاخ زعفران ہے باغ نافرمان کا

ضرورت شعری کے تحت اس نوع کے تصرفات نہ صرف سچل کے زمانے میں بلکہ ایک صدی بعد تک معیوب نہیں خیال کئے جاتے تھے چنانچہ ذوق نے ایک قصیدے میں ''موسیقی'' کو بہ اسقاط یائے اول ''موسقی نظم کیا ہے کہتے ہیں:

ماہر موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھا

کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں مت

(دیوان ذوق ص ۱۳۲)

سچل نے ایک اور غزل میں انسان کی عظمت اور کل مخلوقات پر اس کی اشرفیت ان لفظوں میں نظم کی ہے:

جس جا ملائکہ نے مجھ کو سلام کیتا

کہہ قاضیا ہمیں سے اس جا سلام کیا ہے

اس خیال کو کہ انسان وہی ہے جو سراپا عشق میں غرق ہوا اور ہزارہا ہزار مخلوقات میں ایک مخلوق ہونے کے باوجود وحدت الوجود کے عقیدے کی اس منزل پر فائز ہوا جہاں اسے کائنات اپنے ایک وجود میں سمٹی ہوئی نظر آئے، سچل نے اس طرح ادا کیا ہے۔

عشق ہے امام میرا دیگر امام کیا ہے

میخانہ میں بنا ہوں اِک جرعہ جام کیا ہے

پہلے مصرعے میں ''عشق ہے'' بہ اسقاط ہائے ہوز نظم ہوا ہے۔ حروف اصلی کے اسقاط کی ایسی مثالیں آپ کے معاصرین کے یہاں اکثر پائی جاتی ہیں، چنانچہ نظیر اکبر آبادی نے ایک نظم میں، جس کا عنوان ''عید'' ہے لفظ ''عاشق'' بسقوط ''ع'' نظم کیا ہے، کہتے ہیں:

رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی

کچھ دلبروں سے وصل کی کچھ دید کی خوشی

(کلیات نظیر، ص ۴۱۸)

سچل نے عشق صادق کا یہ مسلمہ اصول کہ انسان کو ہمیشہ حقیقت الٰہیہ کا دم بھرنا اور اسی حال میں دم توڑنا چاہیے ایک شعر میں نہایت دلولے اور دبدبے کے ساتھ ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

پکڑ کر تیغ لاہوتی سر میدان آؤں گا

گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

اناالحق اور ہمہ اوست، کا مسلک سچل کا محبوب ترین موضوع ہے۔ جسے انہوں نے اپنی ہر زبان کی شاعری میں طرح طرح سے نظم کیا ہے۔ اُردو کی غزل میں ایک جگہ کہتے ہیں:

ہوا ہے حکم اب مجھ کو بجا نوبت اناالحق کی

میں اس عالم میں برھا کا تماشا اب دکھاؤں گا

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

معشوق سراپا ہوں ہم گوئے چو ہم چوگان

تقریباً یہی خیال ہے جسے بعد میں مصحفی نے اپنی ایک غزل کے مطلع میں، اس طرح نظم کیا ہے:

معشوق ہوں یا عاشق معشوق نما ہوں

حق یہ ہے کہ سچل کے یہاں "ہم گوئے و ہم چوگان" کے محاورے میں جو مزہ ہے، وہ مصحفی کے یہاں "عاشق معشوق نما" کی ترکیب میں نہیں۔

سچل تعینات کی قید سے آزادی اور وحدت الوجود کی سرمستی کا اس زور و شور کے ساتھ اعلان کرتے ہیں:

دوئی کا دین باطل کر نکل باہر مذاہب سے
حکم یہ ایک ایکا کا بہر جا میں چلاؤں گا
کہا یہ پیر نے مجھ کو نہ خود کو غیر حق جانو
وَلَاَ مَوجُودَ اِلَّا ہُوْ" نقارہ میں بجاؤں گا

پہلے شعر میں "حکم" بسکونِ "ک" کے بجائے بفتحِ "ک" نظم ہوا ہے۔ سچل کے معاصرین اور بعد میں آنے والے اکثر ساکن حرفوں کو متحرک اور بالعکس نظم کرتے تھے۔ مثلاً شاہ نصیر نے جو سچل کے بعد بارہ سال تک زندہ رہے، نفی، بسکون "فا" کو بکسرِ فا، نظم کیا ہے کہتے ہیں:

ہم نے اس بات کو اثبات کیا موج سے یوں

دم بدم ذکر نفی میں ہے یہ محراب حباب

(دیوان نصیر ص ۳۸)

سچل نے مذکورہ بالا دوسرے شعر میں نقارے کا قاف مشدد کے بجائے غیر مشدد نظم کیا ہے۔ اس قسم کا تصرف اور شعراء بھی کرتے رہے ہیں۔ مثلاً، میر نے ''نشہ'' بہ تشدید 'ش' کو بغیر تشدید نظم کیا ہے۔

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر

سمند ناز پہ اِک اور تازیانہ ہوا

(کلیات میر، ص ۱۵۳)

اسی طرح جرات نے ایک مثنوی میں ''اصل بسکون، 'ص' کو بفتح 'ص' باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

بزم عشرت میں تھے جو نت مے نوش

اصَل افسوس پیتے ہیں کر جوش

(مثنویات جرات، ص ۱۹۰)

ان کے علاوہ میر انیس نے ایک مرثیہ میں جس کا مطلع ہے۔ ''شیر خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں'' ''فرار'' بہ تشدید رائے مہملہ کو بلا تشدید باندھا ہے۔ فرماتے ہیں:

بھیجوں گا کل اُسے جو مراد دوستدار ہے
کرار ہے وہ شخص کہ غیر فرار ہے

(مراثی انیس جلد، ۲ ص ۳۱)

سچل ''وحدت الوجود'' کا پیچ دریچ عقدہ کتنے سہل اور دلنشین لفظوں میں حل کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

ہوالاول ہوالآخر ہوالظاہر ہوالباطن
ادھر وہ ہے اُدھر وہ ہے سچل کہہ تم کجا ہوگا

سچل نے اس راز کو بہتوں سے بہتر طور پر سمجھا ہے کہ ادعائے عشق کے بعد عاشق کو اپنی بے بسی کا دکھڑا رونا رضاو تسلیم کے منافی ہے اور اسے بہمہ حال، اپنا حال بیان کرنے کے بجائے محبوب ہی کا ثنا و توصیف میں تر زباں رہنا چاہیے۔ اس لئے اگر وہ کبھی ان مجبوریوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو کہ انہیں منازل عشق طے کرنے میں پیش آئی ہیں تو اس طرح اشارۃً یہ مضمون ادا کرتے ہیں جس سے بطور ادماج و استتباع پھر پھر کر محبوب ہی کے حسن لازوال کی ہمہ گیری اور عظمت ظاہر ہوتی ہے کہتے ہیں:

بے چارہ اِک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
کتنے ہوئے ہیں حیراں دیکھ حسن لایزالی

حسن کی ''ح'' وزن میں دبتی ہے جس کی نظیر، نظیر اکبر آبادی کے کلام سے پیش کی جاچکی ہے۔

سچل کے کلام میں عرفانِ حق اور تصوف کے علاوہ بعض مقامات پر واردات عشق ہجر و

وصال کا ذکر اور عاشقانہ پیارو محبت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔ مگر بیشتر شعروں میں ایک نہ ایک ایسا اشارہ بھی ہوتا ہے جس سے شاعر کا اصلی رنگ (عشقِ حقیقی) صاف جھلکتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ معشوق کی بے اعتنائی اس طرح بیان کرتے ہیں:

کس سوں میں کہہ سناؤں مرا یار ہے خیالی

مرا حال پوچھتا ہے اصل لااُبالی

پہلے مصرعے میں، خیال کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ محبوب جسم و جسمانیات سے مبرا ہے، ایک اور مقام پر دردِ عشق کی کیفیت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ درد مجھ کو جاناں اب بے خبر کیا ہے

مجروح میرے دل کو اُس اِک نظر کیا ہے

کتنی روانی اور سلاست کے ساتھ ''بے خبر'' سے وارفتگی عشق کی جانب اور دوسرے مصرعے میں ''اُس'' سے عہدالست کی جانب اشارہ کردیا ہے۔ اسی غزل میں کیفیت ہجر اور انتظار کی بے چینی ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں:

ترے ہجر میں پیارا روتا ہوں زار زارا

وعدے نے تیرے ہم کو اب منتظر کیا ہے

پہلے مصرعے میں ''پیارا'' کو سکون ''یا'' کے ساتھ نظم کیا ہے۔ اُس عہد کے دوسرے شعراء بھی اس تصرف کو جائز سمجھتے تھے۔ سراجؔ اورنگ آبادی کہتے ہیں:

پتلی مرے نین کے جھروکے میں بیٹھ کر
بیکل ہو جھانکتی ہے پیارا کب آئے گا

(کلیات سراج، ص ۱۳۸)

دوسرے مصرعے میں سچل نے ''منتظر'' بکسر ''ظا'' باندھا ہے۔ قافیے کی پابندی کے لئے لفظ میں اس قسم کا تصرف اب تک جائز سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ غالبؔ نے ''خاور'' اور ''منظر'' کے قافیے میں ''کافر'' بکسر ''فا'' کے بجائے بفتح ''فا'' باندھا ہے۔

دیکھیو غالبؔ سے گر الجھا کوئی!
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

(دیوان غالبؔ، ص ۱۴۰)

اپنے زمانے کے رواج کے مطابق سچل نے دو ایک جگہ ظاہری خال و خد کو بھی اپنا موضوع فکر بنایا ہے۔ جو مریدوں کی دلچسپی حاصل کرنے کے لئے جو کہ ان کی محفل سماع میں جمع ہوتے تھے اور جن کو وہ اپنے صوفیانہ خیالات سے متاثر کرنا چاہتے تھے، نفسیاتی اعتبار سے بھی موزوں تھا۔ چنانچہ اسی غزل میں کہتے ہیں:

ابرو کمان دلبر مژگاں خدنگ خنجر
ہم نے انہوں کے آگے سینہ سپر کیا ہے

اس کے فوراً ہی بعد یہ شعر ہے جس سے مراقبے کی محویت میں دیدار محبوب کی طرف لطیف اشارہ ہوتا ہے۔

اتنی یہ بے نیازی دلبر نہ کر سچل سے
اس کی گلی میں تم نے اکثر گزر کیا ہے

ایک اور مقام پر تغزل کے پسندیدہ تر رنگ میں کہتے ہیں:

دل بیتاب کہ اک آن نہیں جس کو قرار

زلفِ دلدار سوں ہمسر ہے پریشانی میں

سچل کی اُردو غزل کے یہ چند نمونے پیش کرنے کے بعد، اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب ہوگا کہ کُل شعرائے اُردو میں نظیر اکبر آبادی اور راسخ دو ہی شاعر ایسے ہیں جن کی ولادت اور وفات، سچل سے صرف دوچار سال قبل یا بعد ہوئی ہے۔ اور اس بنا پر یہ تینوں ہر اعتبار سے ایک ہی عہد اور ایک ہی زمانے کے شاعر ہیں۔ لیکن ان تینوں کی غزلوں میں تصوف اور اخلاق کے مضامین صرف سچل کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ نظیر اور راسخ کی غزلیں تمام تر اُس عہد کی غزل کے عام رنگ میں ہیں۔ اس لئے وہ غزل گوئی کی تاریخ ارتقاء کے لئے کوئی مواد فراہم نہیں کرتیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ سچل کی اُردو غزل کے جس قدر اشعار اس وقت تک منظر عام پر آئے ہیں، ان ہی تک سچل کی غزلوں کو محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لئے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنے اشعار کا بہت بڑا ذخیرہ محض اس اندیشے کے تحت دریا برد کردیا تھا کہ عام لوگ ان صوفیانہ نکات کو نہیں سمجھ سکیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے۔ دنیائے ادب کے اس حادثے کے بعد اب جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں وہ تمام تر سچل کے مریدوں اور عقیدت مندوں سے ملے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہوئی ہے کہ سچل کی محفل سماع میں جب طبلے پر تھاپ پڑتی تھی اوریکتارا اپنا سریلا راگ چھیڑتا تھا تو وہ بے خود ہو کر نثر کے بجائے نظم میں وحدت الوجود کے معانی و مطالب اور اسرار و غوامض کی تفسیریں بیان کرتے تھے۔ اور سامعین

و حاضرین ان شعروں کو تبرک سمجھ کر لکھ لیتے تھے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے اور ایک وسیع حلقے میں پھیل گئے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر سندھ، علی الخصوص خیرپور اور اس کے مضافات کے ان علاقوں میں جہاں کی محافل سماع میں یکتا رے پر شعر الاپے جاتے ہیں، تفحص کیا جائے تو سچل کی بہت سی نئی غزلیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ فارسی میں دیوان آشکار کے علاوہ ''سچل کی سات مثنویاں اس وقت تک مل چکی ہیں جن کی ایک نقل روہڑی میں سادات موسوی کے یہاں اور دوسری خیرپور میں پروفیسرعطامحمد حامی کے پاس محفوظ ہے۔

فارسی میں سچل کے غیر مطبوعہ کلام کو چھوڑ کر، ان کی جس قدر غزلیں دیوان آشکار میں شائع ہوچکی ہیں، اگرچہ ان میں مضامین، زبان اور انداز بیان کے اعتبار سے کوئی ایسا خاص امتیازی وصف نہیں ہے جو شعرائے عجم اور برصغیر کے فارسی غزل کہنے والے شاعروں کے یہاں موجود نہ ہو، تاہم یہی ایک بات بجائے خود بہت بڑا وصف ہے کہ ایک ایسا شاعر جو شب و روز سندھی اور سرائیکی میں گفتگو کرنے کا عادی اور ان ہی دونوں زبانوں کا شاعر تھا۔ جس کے سامعین فارسی زبان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے، جسے ابوالفضل اور فیضی کی طرح کسی درباری ضرورت کے تحت بھی فارسی زبان سے سابقہ نہیں پڑتا تھا اور فارسی اس کی یا اس کے باپ دادا کی مادری زبان بھی نہ تھی، اس نے زبان غیر میں، محض اس لئے کہ یہ اس وقت کی علمی زبان خیال کی جاتی تھی، ہزاروں شعر تصنیف کر ڈالے، جب کہ اتنے اشعار بعض عجمی شعراء کے دواوین میں بھی نہیں پائے جاتے۔

سچل کی فارسی غزلیات کے مطالعہ سے بہت جلد یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ فطرۃً

رنگ تصوف کے دلدادہ تھے۔ سادگی ان کا خاص جوہر تھا۔ اور تصنع یا بے مقصد مضمون آفرینی سے انہیں قدرتی طور پر لگاؤ نہیں تھا۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگی پیری مریدی، رشد و ہدایت، وعظ و تلقین اور لوگوں کی روحانی و اخلاقی اصلاح تک محدود تھی۔ وہ ایک ایسے علاقے کے باشندے تھے جہاں کے لوگ صدہا سال سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باعث توکل و قناعت اور گوشہ نشینی کے عادی ہوگئے تھے۔ سچل کی اپنی شخصیت سے بھی ان کا مذہبی تقدس وابستہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں زندگی بسر کرنے کے بعد سچل اپنی غزلوں میں اگر تغزل کے رواجی مضامین نظم کرتے تو ان کی شاعری اور زندگی میں قطعاً تطابق باقی نہ رہتا۔ ان تمام وجود و اسباب سے سچل نے صوفیانہ رنگ اختیار کیا جو ایسے حالات میں خوب پھلتا پھولتا ہے۔ دیوان آشکار کی ورق گردانی میں آپ سچل کی جس غزل کو پڑھ کر دیکھیں گے، اس میں آپ کو حال و قال کی ایک محفل گرم نظر آئے گی۔ جس میں وہ جھوم جھوم کر رنگ رنگ سے مرحلۂ اناالحق اور مسئلہ وحدت الوجود کی عظمتیں بیان کرکے، انسان کو اس کی اشرفیت کے اصلی مقام سے باخبر کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ وہ اپنی مجلس سماع میں ڈنکے کی چوٹ اس بات کا ادعا کرتے تھے کہ کائنات پر حکمرانی کا صرف وہی نفوس حق رکھتے ہیں جو عرفان کمال کی منزل پر فائز ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

می زنم نعرہ اناالحق آشکار
اندر این آخر زمان منصور وار
نوبت صد بادشاہی می زنم

شہر یارم شہر یارم شہر یار

سچل اس بات کے قائل ہیں کہ جب سالک، سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں اسے سوائے منزل وحدت کے اور کچھ نظر نہیں آتا، تو پھر اسے اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ اپنے عشق کو شریعت ظاہرہ کے احکام کی زنجیروں میں مقید رکھنے کا پابند ہو اور اس عالم میں جو لوگ اس کی آزاد روی پر نکتہ چینی کرتے ہیں، وہ عشق و محبت کی طریقت میں ملحد اور کافر ہیں، فرماتے ہیں:

گفت ملحد کہ حد شرع گزاشت

چوں بوحدت رسم کدام شرع

اب وہ ایک قدم اور آگے اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسوم کی پابندی محبوب تک پہنچنے کے راستے میں حائل ہوتی ہے۔ اس لئے میں ان تمام بندھنوں میں الجھنا نہیں چاہتا۔

ساقیا آن شراب انگوری

نمی خواہم کزوست صد دوری

اس جگہ ''شراب انگوری'' سے جس کا انجام خمار ہوتا ہے۔ وقتی اور سطحی محبت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں تو ایسی محبت کا طالب ہوں جس کا نشہ کبھی نہ اُترے اور محبوب کی جدائی کے غم سے ابدی طور پر نجات مل جائے۔

لازوال است آن مئی وحدت

آن بنوشاں رہم ز مہجوری

سچل عشق کی مذکورہ منزلیں طے کرتے ہوئے کچھ اور بلندی پر پہنچے تو روکھے پھیکے زہد و تقوی پر جس میں محبت اور خلوص کی چاشنی نہ ہو، تعریض کرنے لگتے ہیں۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ زاہد کا زہدو ریاضت بالکل بے کیف ہے کیونکہ یہ عشق و محبت کی اس سرمستی اور حال سے بے بہرہ ہے جس پر میں فائز ہوں۔

هستم غلام مصطفیٰ
چاکر بنام مرتضیٰ
من طالب آل عبا
زاہد چہ داند حال ما

سچل کی نظر میں ترک لذات اور دنیا سے بے تعلقی کی دولت ہی سب کچھ ہے۔ اور وہ سلوک کی راہوں میں اسی منزل کی عظمت کے معترف ہیں کیونکہ انہیں یہ معلوم ہے کہ انسان جب یہاں قدم رکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک ایسا درد پیدا ہو جاتا ہے جسے وہ اپنا سرمایۂ حیات اور فلاح و نجاح کا واحد ذریعہ خیال کرنے لگتا ہے اور یہی دراصل خلقت انسانی کا مقصد ہے۔ فرماتے ہیں:

غریبی بیکسی شد مایۂ ما
کہ بالاتر بود زین پایۂ ما
دلم پر غم پریشاں اشتیاقش
زور دم شیر داوہ دایۂ ما

مضمون کے علاوہ استادانہ منزلت کے لحاظ سے بھی آخری مصرع سچلؒ کی قادر الکلامی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ کیونکہ تغزل کے رنگ میں ''دایہ'' کا قافیہ نظم کرنا بغیر کہنہ مشقی

اور پختہ کاری کے ممکن نہیں۔ اسی غزل میں آگے چل کر کہتے ہیں۔

بدانستیم ما کان یار دور است
ولی نزدیک تر ہمسایۂ ما
نمی دانم فغان این لہا چیست
خوش آمد دوست را این ہایۂ ما

ان دونوں شعروں میں سلوک و معرفت کی اس منزل کی جانب اشارہ کیا ہے، جہاں عاشق دردِ عشق میں مبتلا ہونے کے بعد اول اول محبوب سے دوری محسوس کرتا ہے۔ پھر اسے تجلیات کچھ کچھ نظر آنے لگتی ہیں تو خیال کرتا ہے کہ محبوب کو اب میری ریاضت پسند آنے لگی ہے اور وہ مجھ سے قریب ہوتا جارہا ہے۔ یہ اگرچہ ایک سیدھا سادہ مضمون ہے جو دوسرے شعراء بھی لکھتے رہے ہیں۔ مگر ان اشعار میں ایک اور خاص بات ہے جو عام شاعروں کے مقابلے میں سچل کا مذاق سخن بلند ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ''غریبی بیکسی شدمایۂ ''سے لے کر'' خوش آمد دوست را این ہایۂ ''تک ایک ہی غزل کے چار اشعار ہم نے پیش کئے ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر مستقل مضامین پر مشتمل ہیں اور قطعہ بند کے طور پر تکمیل معنی میں ایک دوسرے کے محتاج نہیں۔ با این ہمہ ان میں اس قدر توافق خیالات پایا جاتا ہے کہ اگر انہیں تسلسل کے ساتھ پڑھا جائے تو منازل عشق میں انسان کی تدریجی رفتار ترقی کا نقشہ نگاہوں میں پھرنے لگتا ہے۔ عام غزلوں کی طرح ایسا نہیں کہ ایک شعر میں ہجر کا ذکر ہے اور دوسرے میں وصال کا۔ ایک میں ایران کی بات ہے اور دوسرے میں توران کی یہ اور بات ہے کہ سچل کی غزل میں زبان و طرز بیان کے

اعتبار سے شعراء عجم کی سی لطافت نہیں مگر ان کی نہ صرف اسی ایک غزل سے بلکہ اکثر دوسری غزلوں سے بھی اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ غزل کے اشعار میں متضاد خیالات کے مخالف اور ہم آہنگی تخئیل کے خواہش مند تھے۔

ایک اور غزل میں منصور کے مسلک پر اپنے گامزن ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

هر کجایم جا بجایم من خدایم من خدا
تاچه شد پوشیده ام کز درد این خاکی قبا
من شدم او شد در این نباشد زاهدا
کوس منصوری بکوبم اندر این هر دوسرا

اگرچہ دیکھنے میں مسئلہ وحدت الوجود کا یہ ایک معمولی طرز ادا معلوم ہوتا ہے مگر دوسرے شعر میں بڑی سادگی کے ساتھ لفظ ''ہر دوسرا'' کے استعمال سے سچل نے ایک ایسا پہلو پیدا کردیا ہے جو عام شعرائے متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ اے زاہد! میں ہوں یا محبوب ہو، دونوں جہاں میں یعنی ظاہر و باطن میں ''اناالحق'' کہہ رہے ہیں۔ اس لئے ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ میری زبان کہتی ہے وہی آواز روح سے بھی نکلتی ہے اور اس طرح میرے حال وقال میں ذرہ بھر تخالف و تضاد نہیں ہوتا۔ لیکن دونوں جہاں (ہر دوسرا) سے اگر عالم ادنیٰ و اعلیٰ یا مقام خالقیت و منزل مخلوقیت مراد لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں اِدھر عالم ادنیٰ یا منزل مخلوقیت میں وحدت الوجود کا دم بھر رہا ہوں اور اُدھر میں ہی عالم اعلیٰ یا خالقیت کی دنیا میں اناالحق کے نعرے لگا رہا ہوں اور اس طرح عشق کی ان

دونوں منازل میں کامل یکجہتی اور مماثلت برقرار ہے۔ یہ ہے ''من توشدم تومن شدی''
کی وہ اچھوتی منزل جس تک عام نگاہوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ سچل کو ابھی تک کوئی ایسا با سواد اہل قلم نہیں ملا جو ان کے فارسی کلام پر خاطرخواہ تبصرہ کرکے ان کے علوئے منزلت کو منظر عام پر لاتا اور اس لئے وہ بالکل ایسا مشکبو پھول ہو کر رہ گئے ہیں جو کسی صحرائے نامعلوم میں کھلا ہو اور سوائے فضائے بسیط کے کوئی دماغ اس کی بوباس سے محفوظ نہ ہوسکا ہو۔

سچل کے فارسی کلام کی اشاعت کے سلسلے میں یہ بات بھی ایک حادثے سے کم نہیں ہے کہ ان کی جو غزلیات ''دیوان آشکار'' میں شائع ہوئی ہیں، ان کی کاپی اور پروف کی اصلاح سے ناشرین نے نہایت درجہ بے پروائی برتی ہے۔ جس کے باعث بہت سے اشعار ناموزوں ہوگئے ہیں اور حک و ترمیم کے باعث بیسیوں شعروں کے مطالب سمجھ میں نہیں آتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دیوان دوبارہ اصلی قلمی نسخے سے مقابلہ کرکے شائع کیا جائے۔

اَول پيري پيچُ، جي بَند خيالات جا
تنَهِن پچاڻا وَچُ، حلا جِي حيرت ۾

(اے طالب) سب سے پہلے تو اپنی خام خیالی کے بندھن توڑ دے، اس کے بعد
حلاجؒ حیرت میں چلے جاؤ۔

پُنتي جَڃَ نہ جُل، مَنجھ تماشي نہ پوين
گهوٽ ڪري تون پاڻ کي، ڪر هَنگامان هُل
پول نہ پئني ڪنهن پُلَ، وَنج حال حَلاجَ جو

(اے طالب) پرائی بارات میں شریک ہوکر تماشا نہ بنو، تو بارات کا دولہا بن کر اک
ہلچل مچادے۔

تو جا پانئين موج، سا مڙيائي مهراڻ ٿي
هي تنين جا اوج، جن سميت سوريءَ پار ڏي

تونے جس کو موجِ دریا سمجھا، وہ سب مہران ہیں۔
جو مقتل کی طرف جارہے ہیں یہ ان کی معراج ہے۔

مون ۾ آهين تون، تو ۾ آهيان مان
بجلي بادل سان، آهي جيئن سپرين

تو مجھ میں اور میں تجھ میں اس طرح موجود ہوں، جس طرح بجلی بادل میں
سمائی ہوتی ہے۔

”سَچُو“ سارو سَچُ تِيو منجهان ڪثرت ڪُل
الف مَؤن آدم تِيو ڪري هنگامون هُلُ
هندو مومن سو تيو پول نہ پئي ڪنهن پُلُ
”خَلَق الأَ شيَاء فَهُوَ عيَنُهَا“ اِهو آڻ عَمَلُ
تہ گلابي گُل، مُرمارنئي منصُور جان

اس کثرت میں ''سچو'' سارا سچ ہے، الف سے آدم ہوا، یہ سب ہنگامے اس کے ہیں ، تم گمراہ نہ ہو، ہندو اور مومن وہی ہے، انہوں نے بنائے اور دیکھے، اس پر عمل کرو، تم گلاب کا پھول بن جاؤ، بیشک تجھے منصور کی طرح مارتے رہیں۔

ماٺ ڪريان تان مشرڪ ٿيان، ڪڇان تان ڪافر
اِنهيءَ وائي ءَ وَرُ ڪو سمجهي ”سچيڏنو“ چوي

خاموش رہوں تو مشرک کہلواؤں اور بولوں تو کافر ہو جاؤں۔ اے ''سچ ڈنہ'' یہ راز کوئی سمجھ سکے۔

گونڊر جن گذاريو آءُ تِنين گولي،
هنيڙي ۾ هولي، هوندي ڏکن وارئين.

میں ان کی باندی ہوں، جو دکھ میں دن گزارتے ہیں (کیونکہ) اہل غم کے دل میں ہولی (خوشی) ہوتی ہے۔

گوندر جن گذاريو آءُ پڪي تن پيهِي
وٽانئُن ويهي، وٽان واس ورهه جو

جو دکھ میں زندگی گذارتے ہیں، میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ تا کہ تھوڑی دیر ان کے پاس گذار کر، دکھ کی باس لے لوں۔

گوندر جن گذاريو مُنهن تِنين مهتاب
سنديون نيهن نواب، آهن ورهه واريون

جو دکھ میں زندگی بتاتے ہیں، اُن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہیں کیوں کہ اہل دردِ عشق کی نگری کے نواب ہیں۔

ڪيو ڪميٽيءَ ڪجُ، جو سُتِي سويلي رهي
اُنهيءَ جي افسوس سين، ڪيو محبت مچُ
پنهون جام پرچُ، نامِيا نماڻيءَ سان

مجھ کمبخت (سسئی) سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں سویرے ہی سو رہی۔ اسی افسوس میں، میرے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی ہے اے جام پنوں! اس غریب پر راضی ہو جاؤ۔

پُنهون پُنهون ٿي ڪريان، آءُ پڻ پنهون پاڻ
اديون ٽِيس آڇاڻ، جو ڪين پروڙيم پاڻ کي

میں (خواہ مخواہ) پُنوں پُنوں کرتی ہوں، (لیکن) میں تو خود پُنوں ہوں،
سکھیو! میں انجان رہی، اور اپنے آپ کو نہ پہچانا۔

جان پروڙيم پاڻ کي، تان آءُ پنهون آهيان
ڪنهن طَرف ڪاهيان، جو طرف مڙيئي تم ٿيا

جب میں نے اپنے آپ کو پہچانا، تو معلوم ہوا کہ میں خود پُنوں ہوں۔
اب کس طرف جاؤں، کیونکہ سارے اطراف بند ہوگئے ہیں۔

پيهي پروڙيوم، تان پنهون پاڻ ئي آهيان
پاڻ ئي منجهان پاڻ کي، هيءُ پَڙلاءُ پيوم
صحيح ڪن ڪيوم، تہ غير گمان اُٿي ويا

جب میں نے اپنے آپ کو پہچانا تو معلوم ہوا کہ میں خود پُنوں ہوں۔ مجھے
اپنے اندر سے یہ آواز آئی۔ جب وہ آواز میں نے غور سے سنی تو غیر ہونے کا گمان
ختم ہوگیا۔

سداهئن سُکيا، ماروئڙا تہ ملير ۾
ڏُکَ نہ ڏينهن ڏکيا، آچن اَجَڙين تي

میرے ماڑو سدا ملیر میں سُکھی رہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کبھی دکھوں کے دن نہ دکھائے۔

سدا سَرها هون، ماروئڙا تہ ملير ۾
مٿي پنهوارن پون، مِهَر جا ڦُڙ مينهڙا

میرے ماڑو ہمیشہ اپنے ملیر (وطن) میں خوش رہیں۔ اور وہاں رحمت کی بارش برستی رہے۔

وقت اها تي ويل، دوئي دور ڪرڻ جي
ڪِي مذاهب من مان، ساجهر ساڻ سويل
هندو مومن سان ملي، محبت جا ڪر ميل
متان ٿئي اويل، اولهہ سج نہ الهي

دوئی دور کرنے کا یہی وقت ہے جلد ہی مذہبی شدت اور تعصب اپنے دل سے دور کرو ہندو اور مومن ایک ہوکر آپس میں بھائی چارہ پیدا کرو۔ کہیں دیر نہ ہوجائے اور سورج غروب ہوجائے اور تاریکی چھاجائے۔

ميان ماروئڙن تي، مِهران وسن مِينهَن
شل نہ ڏکيا ڏينهن، اَچن آجَڙين تي!

میری دھرتی (ملیر) پر رحمت کی بارش ہو اور وہ (مارو) کبھی دکھ کے دن نہ دیکھیں۔

مکڙي ڏٺم موج ۾، تنهن ۾ مير ملاح
مڇيون مارن اوچتي، بانڪا بيپرواھ
لهر بحر جا حاڪم ڄاڻي، شوريا وتن شاھ
وائڙا رکن تن متان، ويچارا ويساھ
آسرا اڙين جا، آھن منجھ الله
ڏئي پاند پناھ، رکي وتندو راڄ کي

میں نے دریا کی موجوں میں ایک کشتی دیکھی جس پر ماہر ملاح سوار تھے۔ وہ بے پرواہی سے مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اس دریا کا حاکم سمجھتے ہیں اور بڑے غصے میں رہتے ہیں۔ ہند اور سندھ ان کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سادہ لوگ ان پر اعتبار کرتے ہیں۔ ان کا اللہ پر ہی بھروسہ ہے وہی ان کو ان مکاروں سے بچا سکتا ہے۔

کافی

کو کیئں چوے کو کیئں چوے
آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں

کو مومن چوے، کو کافر چوے، کو جاہل نالو ظاہر چوے
کو ساحر چوے، کو شاعر چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو پنتھ چوے، کو سنت چوے، کو باغ بہار بسنت چوے
کو میراثی کلونت چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو ملا چوے، کو قاضی چوے، کو مفتی چوے، کو غازی چوے
کو روزہ دار نمازی چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو رد چوے، کو بد چوے، کو بیدینی بے حد چوے
کو مشرک کو ملحد چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو صورت میں انسان چوے، کو شر بھریو شیطان چوے
کو بزرگ کو مستان چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو سُت کوئی سرمست چوے، کو راہ تے دین درست چوے
کو عاشق روز الست چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو زیر زبر زندیق چوے، کو راہنما رفیق چوے
کو غرق منجھ عمیق چوے، آؤں جوئی آہیاں سوئی آہیاں
کو رنگ کوئی بے رنگ چوے، کو مست و ملنگ چوے

و ننگی کو بے ننگ چوے، آوَں جوئی آہیاں سوئی آہیاں

• سانی چوے، و قالی چوے، کو خاص الخاص خیالی چوے

و ازلی مست موالی چوے، آوَں جوئی آہیاں سوئی آہیاں

• نک چوے، ناحق چوے، کو بات ابا برحق چوے

ناں ئے مرشد عبدالحق چوے، آوَں جوئی آہیاں سوئی آہیاں

و ناس چوے، کو عام چوے، کو پختو چوے کو خام چوے

و پتہ پتہ نام پوے، آوَں جوئی آہیاں سوئی آہیاں

دوھڑے

ہک ڈیہنہ میکوں* مرشد آکھیا توں مئے پیالہ پیویں
آکھیم اینویں سائیں اینویں
آکھیں آپ سنجاون باجھوں ہمدم مول نہ تھیویں
آکھیم اینویں سائیں اینویں
اپنی ذات لکا اتھ بیٹھیں تیڈا مطلب تھیسی کیویں
آکھیم اینویں سائیں اینویں
موتو قبلاان تموتوابھی بچاون جیویں
موتوا قبل ان تموتوا ابھی بچاون جیویں
آکھیم اینویں سائیں اینویں
آکھیس ماریا حلاج نغارہ "سچل" توں بھی ماریں تیویں
آکھیم اینویں سائیں اینویں

شمع کنوں رخ روشن افضل، طرحیں طرحیں تجا
زاہد ویکھن نال وساریا، تسبیح مسیت مصلا
خاص سروپا پھرے برہنہ، کوبکو بن کر کملا
حسن کوں سجدہ، چھوڑ دے کعبہ، ایویں کر تسلا
ویکھ حسن حیران تھئے "سچل" کیا قاضی تے کیا ملا

اکھیاں باز عقاب سوہنے دیاں، مکرن پروں پرواز وڈے
اگوں انہاں مشتاقاندے ہوندے سو سو نیاز وڈے
باہاں بدھ گھت گل وچ گاری، کردے کھڑے ایاز وڈے
تاں وی ''سچل'' معشوقاندے ہوسن غمزے ناز وڈے

شیر اکھیں دے غالب ہوندے اُتے شیر جنگل دے
شیر اکھیں توں کوئی نہ بچی آسی وچ جنگل دے
جھنگ والا تاں لڑ ویندا اینہہ کھڑوا کان قتل دے
مارن باجھوں مشتاقاں دے، ''سچل'' مول نہ ٹل دے

سوہنا ناز غماز سیتی وہ چال عجائب چلے
شمس قمر شرمندے ہوئے مکھ دے ڈیکھ تجلے

منہہ محبوب دا سارا مصحف، زیریں زبریں نالے
عشق والیاں آیاتاں دے وچ، پیش تے شد برحالے
جزماں نقطے صحیح سجائے، قاری کوئی سنبھالے
بسم اللہ نال لکھیاں سبھ سوراں پڑھن ورہے والے

کون دلیر جو ہووے اتھاں تاب حسن دی جھلے
واں ونیمل کاریہر کالے ول ول چھلے چھلے
روز ازل کنوں یار "سچل" میں پئم اناں دے پلے

سوہناں یار ہمیشہ ساڈے نال بھی کھلدا ہسدا
ھک دم دور نہ تھیوے ساتھوں وچ اکھیندے وسدا
بیا کوئی کم نہ جانے ہرگز کھل کھل دلڑی کھسدا
نہیں نباہ اساں نال "سچل" گالھ اہائی ڈسدا

سوہنا یار خراماں آیا، ناز غرور غماز کنوں
لک کھڑے شہباز تے شکرے، چشماندے پرواز کنوں
دہشت جھل نہ سگی بازاں، چھپ کھڑے آواز کنوں
عشق دی آیت پڑھی عشاقاں، حسن والی این بیاض کنوں

نا وت شیخ مشائخ یارو نا مخدوم تھیوسے
نا قاضی نا معلم ملاں نا وت پیر بنیوسے
بازی جوڑ نہ عالم کیتے رنگ رساء رکھیوسے
سچل عشق اللہ دے باجھوں، بیا کوئی نہ ہنر سکھیوسے

سرائیکی کلام

وچ درازیں دیرا

ڈاڈا جان محمدؒ حافظ وچ درازیں دیرا
وست تہیں دے اصلوں آہا سارا مقصد میرا
ہادی مہدی مرشد میڈا قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق ہے ہر دم نال مریداں شامل
مہدی شاہ مربی میڈا رہبر راہ ڈسیندا
حق محقق ہستی شئے دی بے شک او بخشیندا
شاہ عبیداللہ ساڈا خواجہ پیراں پیراں
آل نبی اولاد علی ہے حضرت میراں میراں
نام جیں دا غوث الاعظم مرشد کل اولیاواں
قدم مبارک ہویا تھق گردن سبھ سرتا جاں
کوئی اور نہ سمجھدا میکوں آپ آہا ناظر
اللہ نور السموات والا رض اوئی منظر ناظر
ولقد کرمنا بنی آدم "سچو" ہر دم حاضر

کافی

رو رو رہیا آں یار

ہن ہے مناسب آون تیڈا

راز الستی سر تے چاتم برہ تیڈے دا بار

ہجر تساڈے کائل کیتا رووواں زاروزار

لوں لوں دے وچ عشق لپیٹیا تن من تیڈی تار

لکھ کر دراں سکتے آکھاں ماریئے حسن ہزار

اکھیاں تیڈیاں گل گلابی خونی عجب خمار

ظاہر نال زبان کریساں الفت دا اقرار

چشماں بحری باز تساڈیاں شوق کرن شکار

عاشق ستلے قتل جو لیتے صورت دے سینگار

تیڈے کارن جوز چتو ستے گل تنبواں دا ہار

سولی تے منصور چڑھایا چشماں دی چمکار

کیا کراں جو دل دا ونجایا برہے صبر قرار

دین مذاہب کل دے کیتوں یار "سچل" بے زار

کافی

چھوڑ گمان گدائی والا
شملا چا بدھ شاہی دا

مار نغارا وحدت والا، فکر رکھیں بادشاہی دا
غیر خیال گزار نہ دل تے، غمزہ ہئی گمراہی دا
گمراہی وچ ہئیں ہدایت، نور سفید سیاہی دا
ہر کہیں طرفوں تارک تھیویں، سُر کا پی صراحی دا
آپ سنجان اناالحق آکھیں مانیں عیش الٰہی دا
نفی ''سچل'' اثبات کریندا ڈیکھو سیر سپاہی دا

کافی

تاب کنوں بے تاب سیاں
میں تاب کنوں بے تاب

نا میں گویا نا میں جویا نا میں سوال جواب
نا میں خاکی نا میں بادی نا میں آگ نہ آب
نا میں جنی نا میں اِنسی، نا مائی نہ باپ
نا میں سنی نا میں شیعہ نا میں ڈوہ ثواب
نا میں شرعی نا میں ورعی نا میں رنگ رباب
نا میں ملاں نا میں قاضی نا میں شور شراب
ذات ''سچل'' دی کیہی سمجھ نہیں نالے تا نایاب

کافی

جیں دل پیتا عشق دا جام

سا دل مست و مست مدام

دین مذاہب رہندے کتھے، کفر کتھاں اسلام

پنجتن پاک حمایت میڈی، حسن حسین امام

بخش کریندا عاشقاں تے، جنت جاء مقام

سرذیون کیتے عشاقاں کوں، عشق بدھائے احرام

عشاقاں دا اصل کنوں ہے، سولی دا سرانجام

سولی تے منصور چڑھایا، اناالحق کلام

چاون بار ملامت سر تے برہ سارا بدنام

چھوڑیا تہیں کوں علم عقل نے جہیں دا عشق امام

خوشیاں خرمیاں ڈیکھ سنیندا، عشق ونجایا آرام

جاء صفت دی مول نہ وڑدا، کلی چھوڑ کمام

در سائیاں دے سو سپاہی ''سچل'' بھی ہے ہک غلام

کافی

ہر جا حکم ہلائیں توں یار، بھلا بھلا

جوگی تھی کر جگ وچ آ کر انگ ببھوت رمائیں توں

رنگارنگی دیس جو کرکے چیرا تھاں چمکائیں توں

جوبن جلوہ کے آندئیں آپ بچیں نچوائیں توں

آپ کوں آپے ڈے کے ڈکھالے ''سچو'' ناں سڈائیں توں

کافی

رانجھن چاک سڈایا، کہیں نوں کوک سناواں
عبرت وچ اوہیں دے آہس جیہیں تختوں جھنگ پچھایا
آدم دا کر جوڑ آئینہ، آپ کوں ڈیکھن آیا
آہا شاہ، تھیا وت چاکر، ایہو تان ہنر ہلایا
بازیگر تھی بازی کھیڈے بازی سیل بنایا
ظاہر باطن رسم اونہیں دا کیتس کو نہ کنایہ
سمجھ "سچو" ہر یک سائیں جیں ڈیکھ تماشا لایا

کافی

سارے راج تیڈے دی گولڑی گولڑی ہوساں
شالا اساں ڈہیں مہر پووئی
ایڈے اوڈے مول نہ ویساں پار سہنا تیڈی جھولڑی جھولڑی ہوساں
سرپیراندی لگڑی ہاں میں، انگ تیڈے دی چولڑی، چولڑی ہوساں
لودھ کتیاں دی دلبر تیڈے دی، رچھڑا یا وت بھولڑی بھولڑی ہوساں
روز ازل کنوں سن "سچل" سائیں، ناں ء تیڈے توں گھولڑی گھولڑی ہوساں

کافی

بات برہ دی ایہی ایہی عجب جیہی
مل معشوقاں مصلحت کیتی عاشق قتل کریسوں
قتل کنوں جو بچے تہں کوں، شہر ڈھنڈورے ڈیسوں
کنوں ڈھنڈورے بچے تہں کوں، لہریں وچ لڑھسیوں
لہر کنوں جو باہر آیا، رمز اہیں دی زیہی ایہی عجب جیہی
لہرکنوں بچے تہں کوں آتش وچ سٹیسوں
آتش وچ جو سٹ تہیں کوں، پھوک آڑاہ مچسیوں
پھوک آڑاہ مچا تہیندی وائیں خاک اڈیسوں
خاک عاشق دی اکھیاں دے وچ، سرمہ جوڑ کے پیسوں
عاشق سو جو سرمہ تھیوے گالھ انہیں دی کیہی، ایہی عجب جیہی
سنیاں صبح دے ویلے، عاشق پکڑ کے تیار کریسوں
شاباش تہیں دے پچھوں، فوجاں حسن چڑھسیوں
وچ لتاں دے عاشق شودا، قابو قید کریسوں
اول ہشیاں ڈے کر پچھے، اے منصوبہ چلیسوں
نال تہیں دے جیہی وٹی، آپے کرسوں تیہی، ایہی عجب جیہی
چلو دے سنیاں عاشق . کیتے، سرہا میٹ ملیسوں
وچ دریاہ لوہو دے تہیں کوں، دھوپاں نال دھوسیوں

دھوپیں نال دھوا تھیں کوں، غوطے خوب ڈویسوں
غوطے کنوں جو پچھے تہں کوں، ڈے کرلت بڑیسوں
بڈن کنوں جو باہر آیا، گالھ کریجے کیہی ایہی عجب جیہی
رنگا رنگ نقاشی والا، محلا ایک بنیسوں
بڈے گنڈے تہں عاشق دے، وت تھینے کام کریسوں
چارئی بازو کرکے ڈاکے، پوڑی جوڑ جڑیسوں
سرعاشق دات ہس دے اتوں، دکے درس دھریسوں
خون دی قیمت اساں تھیو سے، قتل تھیا پڑیہی، ایہی عجب جیہی
عاشق آہو معشوق شکاری، اہو شکار کریسوں
رمزاں غمزاں مژگاں والے، تہیں کوں تیر مریسوں
نام اللہ دے نال عاشق کوں، چا تکبیر گھتیسوں
ہتھیں اپنے گھن عاشق دے چا وت کھل کھلیسوں
بوٹیاں کرکے آتش دے وچ سیخیں سر چڑہیسوں
سیخیں اُتوں لاھ کراھن، تل پھل کر ونڈیسوں
تل پھل داگیا ذرا پرزہ، جان جگر وچ پیہی، ایہی عجب جیہی
اصل کنون جو ساڈا آیا، "پھل" یار پچھیسوں
وچ درازیں جاءِ تہیں دے، سارا ورہ ونڈیسوں
اہو اساڈا اساں اہیں دے عشق کیتوسے نیہی، ایہی عجب جیہی

کافی

اکھیاں کھول تماشا ویکھیں، صاحب صورت ساری ہے

ایڈدں اوڈوں اوئی دلبر، چوطرف چودھاری ہے
کتھے بلبل، کتھے گل پھل، کتھے باغ بہاری ہے
کتھے بسمل پڑہدا، چلدا، کتھے خاص خماری ہے
کتھے گوشے گھن کر بیٹھا، کتھے شاہ شکاری ہے
کتھے درد دوزانو کیتا، کتھے سیل سواری ہے
کتھے مومن کتھے کافر، کتھے آپ پساری ہے
کتھے شیخ مشائخ، کتھے حافظ، کاتب قاری ہے
کتھے مغ برہمن، کتھے ظاہر ذوق زناری ہے
کتھے دلق درویشی پہرے، کتھے پٹ پہاری ہے
کتھے مست موالی پھردا، کتھے چورنگ چاری ہے
کتھے تخت تکبر کردا، کتھے پاک پیناری ہے
کتھے لک لکوٹی پھردا، کتھے مشک مشاری ہے
کتھے چنڈ ستارے اوجل، کتھے سج سہاری ہے
کتھے ہر کائی بولی بولے، کتھے گنگ گذاری ہے
کتھے سنی کتھے شیعہ، کتھے سرت سچاری ہے
کتھے عاشق کتھے معشوق، کتھے ناز نظاری ہے

کتھے اناالحق دم مریندا، کتھے زیادہ زاری ہے
اوئی حکم ہلیندا حاکم، اوئی کل داری ہے
اندر ناچ نچیندا ناچو، اوئی کھیل کھلاری ہے
اوئی گاوے اوئی بجاوے، اوئی بیکھ بکھاری ہے
اوئی خاک ملیندا منہ کوں، اوئی عطر عطاری ہے
اوئی خاک قلندر بہندا اوئی وچ ہنباری ہے
اوئی دانہے اوئی کوکے، اوئی میر مہاری ہے
اوئی لدھڑیا دور تڑیندا، اوئی کات قہاری ہے
اوئی مردا اوئی وڑہدا، اوئی او صلحاری ہے
اوئی کعبہ اوئی بت خانہ، اوئی سنگ دیواری ہے
آپے گھوٹ آپے جنج اوئی، آپے او شرناری رہے
آپے اوئی جھمر مریندا، آپے او دہلاری ہے
آپے احمد آپے علی، آپے قرب قراری ہے
آپے عبدالحق ڈسیندا، آپے نور نیاری ہے
آپے اندر آپے باہر، آپے او سب ڈیکھاری ہے
ہر کائی شکل اونہیں دی آہے، عین اوئی انواری ہے
کتھے کیویں کتھے کیویں، میڈا محبت مکاری ہے
جیویں چھیٹ ہوئی ہک نالی، تنہیں سر کیئں گلکاری
ایک دانے موں سبزہ برگاں، ڈار میوہ لکھ ٹاری ہے

اصل مٹی پوءِ ناں رچھاں دے، ناواں دی نرواری ہے
اصل کماند تھیں موں پیدا، کیئی میٹھ میٹھاری ہے
جیویں قندتے کھنڈتے مصری کیئی ناں لیکھاری ہے
سواں وچوں سو زیور نالے ہر کہیں ناں اجاری ہے
اوئی ''سچو'' سچ بولیندا اوئی سبد سنواری ہے

کافی

رانجھن لے چل اپنے نال
نہیں تاں مرمر جاندی ہاں
عشق تساڈے ماریا نعرہ جھنگ سیال بھی چھوڑئم سارا
تخت ہزارے آندی ہاں
تیڈے کیتے پھراں اُداسی ویس وگا سبھ رنگ سناسی
بھوں بھوں اِتھ ماندی ہاں
درد فراق جو مینوں ماریا خویش، قبیلہ، وطن وساریا
خون جگر دا کھاندی ہاں
توں تاں میڈے دل دا جانی، عشق گھتی ہے گل وچ گانی
جوگن تھی کر گاندی ہاں
گھت جدائی میکوں نہ ماریں سائیں توں نہ وساریں
پاند گچی وچ پاندی ہاں

غزل

حق پاک ہے حق پاک ہے، حق خالق الاخلاق ہے
کب خورم و بیباک ہے، کہیں اوئی غمناک ہے

کب وحی پر فرمان کیا، میرے یار پیارے کوں لے آ
صد ناز عزت سوں کیا، اوئی صاحب لولاک ہے

کب حیدرِ کرار تھا ، شاہ یتیماں یار تھا
کب دلدل ہسوار تھا ، مالک زمیں افلاک ہے

کب شرع واعظ کرتا ہے، کب میخانے وچ رہتا ہے
کب خاک غلطاں بہتا ہے، کب دست درفتراک ہے

کب شاہ حسن کب شاہ حسین ، رنگین پا یا پیرہن
کب سرخ کب سبزہ تن ، وہ اوئی خوش پوشاک ہے

ہر جا ظہورا یار سوں ، سچو بھرا اسرار سوں
دیکھا جسے اعتبار سوں، تس کا جگر صد چاک ہے

غزل

اگر اثبات کر جانو ، نہ ہرگز تم گدا ہوگا
یقیں کر نا گداگر ہیں ، ولیکن خود خدا ہوگا

فنا کی بات باطل ہے، اگر پوچھو ہمن سوں رے
بقا باللہ ہمیشہ تو ، خدا تا نا فنا ہوگا

نہیں دیدار کوئی دوجھا ، نہ جاءِ دیکھن کی
نظر کی جاءِ تمہاری ہے، بہیں تا خود لقا ہوگا

زمیں پر کیا فلک پر کیا ، کیا پر عرش کرسی پر
دروں بیروں ہم اندر ہے، کہ کلی جا بجا ہوگا

ہوالاول ہو الآخر ، ہو الظاہر ہو الباطن
اِنہاں اوئی، اُنہاں اوئی ، تجھ کہ تم کجا ہوگا

غزل

عشقا امام میرا ، دیگر امام کیا ہے
میخانہ میں ہوا ہوں ، جرعہ کا جام کیا ہے

مَیں یار، یار مَیں رے، تس میں نہیں تفاوت
انا معی انت معکم ، دیگر کلام کیا ہے

اس جاءِ ملائکاں رے ، مجھ کوں سلام کیتا
کہ قاضیا ہمن سوں ، اس جاءِ سلام کیا ہے

"یسمع و بی یبصر" جانوں یقیں سیتے
ہم خانہ یار ہوتا ، پنیا پیغام کیا ہے

تحقیق الحقیقت ساری، نی ہے اللہ کوں
صاحب محمدؐ ہوا ہے ، دوجا غلام کیا ہے

غزل

بنی کر آدمی صورت ، سراسر خود خدا ہوگا
کہاں یونس کہاں یوسف ، کہاں اوئی مصطفیٰ ہوگا

کہاں ماتم زدہ ہوئی، کہاں ہے بیچ عشرت کے
کہاں اسمِ حسن ہوتا ، کہاں شــہ کربلا ہوگا

کہاں صاحب عظم ہوتا، کہاں ہنستا کہاں روتا
کہاں عیسیٰ کہاں موسیٰ، کہاں اوئی مرتضیٰ ہوگا

کہاں لیڑیاں کہاں گودڑیاں، کہاں اطلس حریرائی
کہاں درویش کہاں پیادہ، کہاں اُوئی بادشاہ ہوگا

کہاں روتا کہاں ہنستا ، کہاں سکھ دُکھ بیچ ہوتا
کہاں بدخواہ بد نیت ، کہاں اوئی آشنا ہوگا

کہاں ہے موج لکھ لہریاں، کہاں کھڑتا کہاں بہتا
کہاں دریا کہاں کشتی، سچو اوئی ناخدا ہوگا

غزل

حیران کیا حیران کیا ، مجھ کوں حُسن حیران کیا
مورے دل کوں تم کس واسطے، پریشان کیا پریشان کیا

تیرے جلوہ حسنی مجھ سوں رے، عاشق فراقی کیا صنم
اس زہد را کاری میری ، یکبارگی نادان کیا

وہ ناز غمزے کا کٹک ، چاڑھیا دو دلبر سر میرے
جادو لگا پر دل میرے ، جادو گری مستان کیا

زلفاں سجن میرے گل پڑی ، پیچا پیچ کاریہر ہوا
مکھ کیوں چھپایوئی مجھ سے رے، تیری دوستی دیوان کیا

منصور یا سرمد کہوں ، یا شمس تبریزی کہوں
تیری اس گلی میں دوستاں ، سر جان میں قربان کیا

سچو نمانا کون ہے ، دعویٰ کرے تیرے عشق کی
وہ واہ اُسی مسکین کوں ، تیری دوستی سلطان کیا

بنی کر آدمی صورت ، سارا مظہر خدا ہوگا
کڈھاں کرار حیدر ہے ، کڈھاں شہ مصطفٰے ہوگا

کڈھاں فرعون یا موسیٰ ، چڑھا تھا طورِ سینا پر
کڈھاں کافر کڈھاں ملحد ، کڈھاں اُوئی اولیاء ہوگا

کڈھاں یعقوب کڈھاں یوسف، کڈھاں عاشق زلیخا ہے
کڈھاں او ملنھ بکاندا ھے ، کڈھاں او بادشہ ہوگا

کڈھاں خادم کڈھاں مرشد، کڈھاں ابرا کڈھاں قطرہ
کڈھاں صاحب سلامت ہے، کڈاں اوئی رہنما ہوگا

سچو اے سچ بولیندا ہے ، تیرے ہی بیچ وے یارو
اوئی اندر اوئی باہر ، اوئی ارض و سما ہوگا

غزل

اس چشم میرے ، ایسا اسرار دیکھا تھا
بیچ ابر کے ، آفتاب کا انوار دیکھا تھا

جب نور تجلی کی ، سارا طور جلایا
اس دل کی گلی میں ، اوئی چمکار دیکھا تھا

جس جاءِ سے علماؤں ، پرہیز کیا ہے
تس جاءِ میں سر نور کا ، جھلکار دیکھا تھا

بے فکر بہ ہر ذرہ ، نہ دیکھن ہے مناسب
ہر شہ کی نگہ ہم نے ، ذوالفقار دیکھا تھا

ان دیکھن ہادی کے ، سارا کام میرا تھیا
اس صورت مرشد کی سوں، دیدار دیکھا تھا

جیوں سورج کا نور ، ہر جا ہے برابر
تیوں ہر مظہر اس کا ، نظارا دیکھا تھا

آتا ہے جو کو، اس رنداں کے بزم میں
یکبار ہوا مست ، نہ ہشیار دیکھا تھا

کہ کلمہ اناالحق ، یکبار یقیں سے
منصور یہ اسرار ، اوپر دار دیکھا تھا

تس بحر میں آیا ہے ، تجھو جس نہ کنارہ
اُس بحر میں عشاق، نگونسار دیکھا تھا

غزل

جس عشق میں سر نا دیا ، جگ میں جیئا تو کیا ہوا
پڑھتا عمل کرتا نہیں ، عالم بنا تو کیا ہوا

قاضی کتاباں کھول کے ، مسلا پڑھیا تو کیا ہوا
دل کا عمل کرتا نہیں ، قاضی بنا تو کیا ہوا

حاجی مدینہ شہر کوں ، سجدہ دیا تو کیا ہوا
دل کا کفر ٹوٹا نہیں ، حاجی بنا تو کیا ہوا

جوگی جگت کرتا نہیں ، کپڑا رنگا تو کیا ہوا
دل کا اندر رنگا نہیں ، جوگی بنا تو کیا ہوا

سچل اپنی آنکھ سے ، آنسوں بہا تو کیا ہوا
دل کا اندر روتا نہیں ، لوگوں نے دیکھا تو کیا ہوا

غزل

خدا کس جا نہیں چھپدا ، الـہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپدا ،الـہ جگ لوک سارا ہے

بہ ہر جائیں تہ حاضر ھے، اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولو تا ظاہر ہے ، الہ جگ لوک سارا ہے

کہاں دعوت کی درویشی، کہاں درداں کی دلریشی
کہاں رکھدا ہے بدکیشی، الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں لکھ ورد پڑھتا ہے، کہاں آپ نال لڑتا ہے
کہاں خوناں بہ کرتا ہے ، الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں بازیگراں بازی، کہاں میدان کا غازی
کہاں مفتی کہاں قاضی ،الہ جگ لوک سارا ہے

کہاں دلق گداگر ہے ، کہاں پیراں مجاور ہے
کہاں سلطان سرور ھے ، الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں کر دبدبہ لشکر، پکڑتی ہے زور ہر کشور
کہاں احمد کہاں حیدر ، الـہ جگ لوک سارا ہے۔

کہاں اس شان شاہی کا کہاں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش الاہی کا ، الـــہ جگ لوک سارا ہے

کہاں ہو ءِ ہو ءِ کرینداہے، کہاں نعرہ مرینداھے
کہاں سولی چڑھینداھے، الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں کرتا ہے بیزاری ، کہاں کرتا ہے لکھ زاری
کہاں چلتا ہے خماری، الـــــہ جگ لوک سارا ہے

کہاں انَّ احمدُ نعرا ، کہاں کہے عبدہٗ سارا
کہاں سکندر کہاں دارا ،الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں اوئی پنتھ کے اولے، لکھیں لکھ بولیاں بولے
بھگی سب غیرکی بھولے ، الـہ جگ لوک سارا ہے

کہاں مستاں موالی ہے، کہاں ہر کس کا والی ہے
کہاں سچو سوالی ہے ، الـــہ جگ لوک سارا ہے

غزل

سنو رے آج سر مورے ، برہ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف اوپر ، ابر نیسان آیا ہے

زلیخا کی طلب سیتے ، تمنا ملھ وکاون کی
مصر بازاریں چنچل ، کنوں کنعان آیا ہے

برہ لاون کی خواہش سوں، ظہورا کر اوئی بیچوں
اسی جگ میں وہی ساجن ، بنی انسان آیا ہے

لٹک نی زلف دلبر بندھ ، جرالہ گل دینے کا
قتل کے عاشقاں سیتے ، جو کر طوفان آیا ہے

تجلی دیکھ کر موسیٰ ، رہا مدہوش مستی سوں
شعاع شمع کے اوپر ، پلٹ پروان آیا ھے

سجو کر گوئی سر میدان، سری آگے سریجن کے
ہلاں کر حسن کیاں دلبر، سرے چوگان آیا ہے

غزل

میرے پاس کہ رے قاضیا، کیسا تمہارا کام ہے
تجھ کوں کتابوں کی خوشی، مجھ کوں سارا ماتام ہے

بالیں کتابوں کا ورق، عاشق عشق کی آگ میں
میرا نام ایکو یاد کریں، دوست کا پیغام ہے

اس کے ہجر مجھ کوں لیا، کہتے تم کتاب پڑھ
میرے گھر اسی محبوب کے، آنے کا آج انجام ہے

ایک دم بسارن یار کوں، ناعاشقوں کا کام ہے
سجدہ سہو اس کوں نہیں، جس کا عشق امام ہے

وہ نیک نامی تم لیئے، اے عشق سیتے بے خبر
تیری جماعت کے آگے، برہا سارا بدنام ہے

یہی درد سر مطلب ہوا، مرشد ہمن کوں یوں کہا
بن عشق سچے یار کے، کیا کفر کیا اسلام ہے

غزل

مجھ کوں تیرا جادو لگا، نا صبر نا آرام ہے
تیرے طرف سوں اے صنم، نا خط نا پیغام ہے

آتش لگائی جان سوں، فریاد پر فریاد ہے
مرتا ہوں تیرے ہجر میں، سرسوز کی صمصام ہے

اس حال اپنے کی خبر، کس کوں سناؤں اے سجن
جنجال ہے یہ زندگی، مرنے میں میرا کام ہے

یا مکھ سوں برقعہ دور کر، یا خون تیرے گل ہوا
تم بہا میرے خون کی، مجھ کوں یہی الہام ہے

انکھیاں جادوگر تیریاں، دل ہماری لٹ لئی
پھر پڑے زلف کے پیچ میں، سچ دلوں کا دام ہے

غزل

نین تمارن ناز سیں، میرے دل کوں کوئی اسرار کیا
میرے پاس آویں اے سجن، مجھ کوں برہ بیمار کیا

تیرے ناز غمزے سیں صنم، بے جان ہوں بے جان ہوں
خوبی حسن کی دیکھ کر، تیرا عشق میں اختیار کیا

تس دن دلاسا دے کیوں، تم ہم سے ہے، میں تم سے ہوں
وہی پال اپنا اے سجن ، مجھ سیں جو تم اقرار کیا

در در پھروں اس درد سے ، ہئے ہئے نمانہ ہو ءِ کے
دل ہاتھ سوں میری گئی، تم نے گلے کا ہار کیا

وہ تار تیرے زلف کی، عاشق پڑا ہے پیچ میں
اس کا نہ پھر چھوٹن ہوا ، سچُو شکر صد بار ہے

غزل

بیمار ہوں تیرے برہ کا، چھوٹن میرا مشکل ہوا
یہ درد میرا دیکھ، افلاطون لا یعقل ہوا

یہی درد تیرے عشق کا، مجھ کوں غنیمت ہے صنم
وہ چوں اندھاری رین میں، مشکل کشا مشعل ہوا

جس سے فلک نے کل ملک، دھرتی پون کیتی آیا
لائی بار باری برہ کا، آدم اوپر نازل ہوا

اے یار تم آتا نہیں، مجھ شفا بخشی کرو
اس درد میرے کی دوا، آون تیرا ایک پل ہوا

جب دردِ غم دل توں لگا، اس کی دوا پوچھن نہیں
اس درد سوں سارا سچ، مقصد میرا حاصل ہوا

غزل

اے یار جب تم سر دیویں، تیرا نام تب عاشق ہوا
منصور اول سر دیا، تب سوں سارا انا الحق ہوا

اس عشق انا الحق کا، یکھی مار نعرا آ ئے کے
سر اپنا جب ظاہر کیا، ہر طرف سوں تارک ہوا

طالب ہوویں جب یار کا، آ ئے عشق کے میدان میں
عاشق اس کوں ہم کہوں، جو تیغ سے دو تک ہوا

عشقے میں رووں زار ہے، نا خواب نا آرام ہے
جس دل سیتے برہا لگا، اوئی سب سوں لاتعلق ہوا

پیر مغاں کے آستان ، سیتے پڑا رہ اے سچو
تجھکوں کیا پرواہ ہے ، تیرا پیر عبدالحق ہوا

غزل

دل میری بیران ہوئی، اج یار سلانی ہوا
زاھدا اس میری دل پر، داغ صنعانی ہوا

نہیں جمعیت دل میری کوں، ہجر کی ہیہات ہے
اب دیوانا ہو پھرو، کس جاء جانی ہوا

ہے غنیمت مجھ کوں یارو ، دوستی دلدار کی
میں بیگانا ہو رہوں، اس جگ سوں جگ فانی ہوا

ایک پل ہمدرد پایا، پھر اس سوں لیا فراق
پھر وصالت یار کی، جو ابر آسمانی ہوا

ہو گداگر میں پھروں ، اب یار کیتے دربدر
کس گلی میں کب جو دیکھوں، سیر سلطانی ہوا

شرط مردے کا یہی ہے، ہے مرن اس کی طلب میں
سر سچو کا اس گلی میں، کار قربانی ہوا

غزل

کہا کر سر اناہُو کا ، سرے میدان آؤنگا
گلی اب چھوڑ دلبر کی، طرف دیگر نہ جاؤنگا

کہا اسرار اناسری ، یھی معلوم ہوتا ہے
جتھاں پاؤں خلق نہیں پایا، اتھاں کوتل کڈاؤنگا

بضد کر سر چلاتا ہوں ، کھڑا کر خیال خانی کا
بساط برہ کی بازی، بلاشک وہ بناؤنگا

دُئی کا دین باطل کر، نکل باہر مذاہب سوں
حکم یھی ہیکڑائی کا، چپ وار سو چلاؤنگا

وبی یسمع وبی یبصر، نشانی حق کی یھی ہوتی
وبی ینطق صحی کر کے، سبھو سرہم سناؤنگا

مقرر ہوں میسر ہوں ، قدم باہر نہ دھرتا ہوں
ملامت بار باری ہے، جو ان سر پر اٹھاؤنگا

کہا ہے پیریوں مجھ کو، نہ ہو گا غیر حق کا تم
ولا موجود الاھو، نغارا یہی لگاؤنگا

حکم ہوتا ہے جب مجھ کو، بجا نوبت اناالحق کی
اسی عالم میں برھے کا، تماشا تب دکھاؤنگا

ہوالظاہر ھوالباطن، جو دونو جگ میں حق ہوتا
جو کچھ منصور سر سولی، کہا اوئی ہم کہاؤنگا

بچو ہے سر معنیٰ کا، جو جس دیکھا ہے تس دیکھا
عشق کی آگ میں یارو، دل و جان دم جلاؤنگا

غزل

آؤ سنو رے یارو، ہے عشق انتظاری
آرام نہیں گھڑی کا، ہے برہ بے قراری

ہے زار زار رونا ، یھی کام عاشقوں کا
گاری سے گل پاء کے ، اور عجز نیاز زاری

کیا خویش کیا قبیلے، سب سوں جدا ہوا ہے
عاشق اٹھائی سر پر، برہ کا بار باری

یہی ہاتھ سوں صنم کی، چہرے کی خدنگ خونی
عاشق کوں آءُ لگا ہے ، ناگہ گلے کا کاری

شاہ عشق چڑھا ہے ، آءُ دیکھ کچھ تماشے
اس عقل دیکھنے سے، ایک بار ہے فراری

غزل

تیرے درد مجھ کوں جانی، یوں بے خبر کیا ہے
مجروح میرے دل کوں، تیری یک نظر کیا ہے

ناحق مسافراں سے ، نین کیتی لڑائی
ہم نے گواہ اس پر، سارا شہر کیا ہے

ابروئے کج کماناں ، مژ گاہ خدنگ باراں
ہم نے جو تس کے آگے، سینہ سپر کیا ہے

طالیس کیا فلاطون، لقمان بند ہوتا
تیرے زلف اسی نے، کیسا قہر کیا ہے

میری گلی میں آؤ، دیو صنم دلاسے
تیرے وعدے ہمن کوں، یوں منتظر کیا ہے

اتنی جو بے نیازی، ساجن نہ کر کچھ سے
کب اس گلی میں تم نے، کس دن گزر کیا ہے

غزل

خاص خداوند ہے ، پاک خداوند ہے
گاہے شرف بو علی، گاہے اکھچند ہے

گاہے سو آسودگی، گاہے پراگند ہے
گاہے گریہ زاری ہے، گاہے خندوخند ہے

گاہے شہباز شاہ، گاہے مروند ہے
عرب عجم روم شام، ساگی سوئی سندھ ہے

راہ حقیقت کتھے، فکر نہ کوئی فند ہے
گاہے بے قید توں، گاہے در بند ہے

سچل ساکن نہیں ہرجا، او باشند ہے
پیر عبدالحق ہُو ، جان میری جند ہے

غزل

آدم جس کا نام ، مولٰی کون کہا ویگا
پریم گرو دھم دھام ، باتیاں برج بلاویگا

انا احمد بلا میمی ، آپ کریم تے آپ رحیمی
آپ کرے قتل عام ، منکر مار مناویگا

آپ شرع دے وچ وسدے، کفر اسلام دے مسلے پچھندے
آپ گنگا ہر نام ، حاجی بن بن آویگا

اول ہوندے بال ایانا پھر وت تھیندے پیر سیانا
زیرک مست مدام، سہیس رنگ رچاوے گا

چُو چک شہر درازیں تھانا، گر وسے اتھاں تعریفانا
آپ آریانی جام ، سچّو نام سڈاویگا

غزل

ایک دن بزار میں ، میں دیکھا عجب نظارا
طفلوں کے ہاتھ میں رے، بلبل ہوا بیچارا

پر بال رشتہ سیتے، اس نے کیا ہوا محکم
تڑپھن سے او نہ چھوٹی، کرتا ہے لکھ پکارا

ہم حال اس کا پوچھا ،کہ بلبل ہمن سوں
کس جاء آ پڑا ہیں، چھوڑ یئی چمن ہزارا

ہس ہس ہمن سے گویا، ہویا ہے تجھ خبر نہیں
عاشق جو کوئی ہوا ہے ، جانے حال وئی ہمارا

دم عشق جس نے ماریا، اس گلے پڑی ہے گاری
سر جان صدق بجن پر، تجھ سریر سارا

غزل

آج وے یارو آؤ، دیکھو تماشا یار کا
اس وقت میں ظاہر ہوا، درسن میرے دلدار کا

ہاتھ کر شمشیر آیا، پھر حسن کی فوج سے
کون آ کے سر جھلیگا، تاب اس تلوار کا

وہ نیناں کی ناز سیتے، دل ہماری لٹ گئی
عاقبت میں ایک دن، دیکھوں تماشا دار کا

عشق کی آتش جلاوے، ایک پلک کو نین کی
میں بیچارہ کون ہوں، عاشق ایک ہی نظارہ کا

سر سولی منصور چڑھے، مخمور انا الحق کہیا
کتنی موت سے بچے، طالب اسی خمار کا

غزل

پاس میرے یار آیا ، کہتا ہوں حمد للہ
درسن سجن دکھایا ، کہتا ہوں حمد للہ

میرے حال کی جو کتنی، پرسش تمام تجھ کوں
چا دوست گل لگایا، کہتا ہوں حمد للہ

غفلت کے خواب میں یوں، دن رین پڑ رہا ہوں
اس کے برہ جگایا، کہتا ہوں حمد للہ

معشوق کی نگہ سے، میری دل خوشحال ہوتی
غم ہجر پھیر جایا، کہتا ہوں حمد للہ

صورت خیال کی تم، ساری کچھ صحی کر
مرشد نے کـــہ سنایا ، کہتا ہوں حمد للہ

غزل

کرتا ہوں اے سریجن، اس باب شکر للہ
تیرے برہ نے کیا ہوں، بیتاب شکر للہ

دیکھن سے نین خونی، حیرت میں ہو رہا ہوں
بے آرام کیا مجھ کوں، بے خواب شکر للہ

کیا قول کیا سیپارے کیا ورد کیا وظیفے
شد جزم بھل گئے ہیں، اعراب شکر للہ

آیا اڈر وحدت کا، شہباز دل میرے پر
سارا جو ٹٹ گیا ہے، آداب شکر للہ

ظاہر کیا جو باطن، باہر اندر جو تم ہو
سچو سپرد تجھ کوں ، ہر باب شکر للہ

غزل

تیرے ملن کے کیتے، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا، ہم سر بسر ہوا ہوں

پھر دیکھ طرف میرے، تجھ بن پھروں اداسی
تیرے کیتے گداگر، میں دربدر ہوا ہوں

رو ون تیرے ہجر سیں، دن رین ہمن ہوتا
حبل الورید سیتے، ہم بے خبر ہوا ہوں

امید ہے فضل کی، تجھ میں نی عاشقاں کوں
لاتقنطو من رحمت، میں بے خطر ہوا ہوں

دوری نی ہمن جاتی، کوئی دم نہ دور تم ہیں
تیرے کرم کے سیتے، ہم در نظر ہوا ہوں

فریاد اے سریجن، سن نالو خدا سچو کی
آء دیکھ حال میرا، کہ اندر شرر ہوا ہوں

غزل

ناو نوش نوش دارو، مجروح کی دوا ہے
یھی اصل عاشقاں کو، اس درد کی دوا ہے

یھی ہے طریقہ مشکل، آسان نہیں رے جانی
دم عشق کے میں یارو، جورو رے صد جفا ہے

سر کی چھوڑیں تمنا ، جب راہ عشق کی پوچھیں
خونریزی عاشقاں کی، دوستوں کو یھی روا ہے

اس کوں خبر نہیں کائی، اس قرب کی وے یارو
یوں جو کوئی کہی رے ، معشوق بے وفا ہے

آشفتگان ہزاریں، قربان سر کیا ہے
مجھ بے چارہ مسکین، درگاہ کا گدا ہے

غزل

لیا برہ بلبلی سوں ، جب رت آئی بہاراں
فریاد وصل سیتے، کرتا جوں بے قراراں

ہم حال اس کوں پوچھا، عاشق گلوں کا تم ہے
کہہ وصل یا ہجر ہے ، روتی ہو زار زاراں

منقار بیچ گل ہے، کرتی ہو لکھ فریادیاں
کہہ یکھی سبب کیا ہے، حاصل ہے گل ہزاراں

اُس مجھ سون پھر سنایا ، اے بے خبر برہ کا
اس کام میں رکھا ہے، مجھ کوں رے آن نگاراں

آندیاں نہ خوش فریادیاں، موریاں رے اس صنم کو
تس واسطے نہ چھوڑوں، تجھ رے یکھی پکاراں

غزل

ساجن پیالا پریم کا، مجھ کوں پلا گیا
میرے دست میں صراحی رہ گئی، ساقی کجا گیا

نا ہے امید من کوں، جیسی کہی سجن
دل کوں دلاسا دے کے، جانی تمھا گیا

زخمی ہوا ہمیں، بخشو لا چار ہو پڑا
جانی کمان کش کے، جنگی چلا گیا

دلبر جو دلڑی لٹ کے، مڑ کے نہ پائی جہات
مجنوں مجھ کوں کر کے، جانی بھلا گیا

طاقت نہ رہی ملن کی، بچو جو بولتا نہیں
زخمی جگر کو کر کے ، دارو پلا گیا

غزل

مُوتُو میں بشارت ، برہ کی اشارت
مرن میں صفاتی ، پاؤ گے حیاتی

فنا ہو بقا میں، حسن ہو لقا میں
قسم حق حقا میں، رچی ذات ذاتی

شمع پر پتنگاں ، دیتا ہے اچھنگاں
نہ ترسی تنگاں، میں ملتا جگاتی

یہی معراج سارا ، منصور یارا
سولی پر نظارا ، ذیکھا اثباتی

کچھ سمجھ پایا ، سجن میں سمایا
انگ دل لگایا ، دوئی دفعہ جاتی

غزل

انکھیں کے ناز تیرے، مجھ کوں یوں غلام کیا
تمہارا عشق ہم نے، پیشوا امام کیا

کسی کوں آگہہ، اس حال اپنے کی کروں
تمہارے درد ہمن سوں، بجن تمام کیا

تیریاں نی دیکھ بے پرواہیاں، سنورے صنم
اپنی گوش پر انگلیاں، خلق خاص و عام کیا

کیا ٹکانا میرے دل اوپر، عشق تیرے
عقل علم تے سنت فرض، لکھ سلام کیا

شکر کروں میں صد بار، حمد للہ کہ
تجھ کوں عشق جو تم اپنا، انعام کیا

غزل

سجن چا بار برہے کا، اسی عالم میں آیا ہے
سیہ لالی سفیدی کا ، برابر رنگ بنایا ہے

کڈھاں مومن کڈھاں مسلم ، کڈھاں کافر کہایا ہے
کڈھاں ملا کڈھاں قاضی ،کڈھاں باہمن بلایا ہے

نہ جاناں اس معما کوں ، کسی نوں کس بھلایا ہے
خلق الانسان علیٰ صورتہٖ ، اہوئی کہ سنایا ہے

دیکھو منصور ہو کر کے ، جو سولی پر سلایا ہے
زلیخا ہو کے یوسف پر، مصر سوں دُھم مچایا ہے

سچو کی صفت میں ساجن، بھی ئی انجھر الایا ہے
کوئی سمجھے لکھا وچوں، رمز ربی رلایا ہے

غزل

اے دل دیوانہ مجھ کوں، تری یک نظر کیا ہے
حقا کے دو جہاں سے، مجھے بے خبر کیا ہے

اک ہی نگاہ ناز سے، دل لوٹ لیا ہے میرا
گھونگھٹ اٹھا کے تو نے، جب سے گزر کیا ہے

چرچا ہے تیری دید کا، عشاق کوں وعید کا
جلوہ دکھا کے تو نے، سب کوں ضرر کیا ہے

عاشق بایں ہمہ، لاکھوں جن و انساں
مستان زمین و آسماں، حیران بحر و بر کیا ہے

ہے پایل کی جھنکار بھی ، اور دست میں تلوار بھی
ایسی ادا سے تو نے، سجن ہر سحر کیا ہے

اے دوست میرے دل کوں، تیر نظر لگا ہے
میری بھی صدا ہے ، اک جانتا خدا ہے

عاشق غریب کا دل، زخمی کیا ہے تو نے
چیرا ہے تیرے سر پر، ہاتھوں پہ بھی حنا ہے

شمشیر تیری عریاں، خونریز ہے اے دلبر
تیرے الم کے آگے، عاشق ہوا فنا ہے .

زلف سیاہ رُخ پر ، شاہ و گدا ہیں شیدا
خونخوار تیری آنکھیں، ان کا ستم بھی کیا ہے

اے جانِ جاں تو آ جا، میری گلی میں اک دن
خاک قدم پہ تیری ، یہ جان و سر فدا ہے

نازوں سے تو نے مارا، عشاق کو اے ظالم
خونریزی، غریباں ، شاید تجھے روا ہے

تیرے ہی نام کا میں، ہر دم رہوں گا عاشق
روز ازل سے سچل در کا تیرے گدا ہے

غزل

محرم ہوا اس راز کا، تس سر دیا میدان ہے
خلق اسی سوں ہوئی جدا، بظاہر سدا بیران ہے

عشق کر استاد پھر، یوں درد کا دیوان ہے
تحقیق میں ثابت ہوا، ایک دن تیرا مہمان ہے

جس سنایا شوق سوں، سارا میرا فرمان ہے
عشق کے ایوان میں، کیا سر اک نے قربان ہے

پہلوانوں کی بازی ہے، عشق نہیں آسان ہے
یار جو اسی سوں ہوا، سچ وہ سلطان ہے

غزل

الحق الحق ہو الحق ہُو
المالک ملک بلا شک ہُو

اب ظاہر کیسا یار ہوا ، اس دم دم میں دلدار ہوا
یوں ایسا ہی اسرار ہوا، یوں سری سر انسان ہوا

اس جاءِ سے اس جاءِ آیا ہے، اس لالی رنگ بنایا ہے
اوئی سب میں شاہ سمایا ہے، ہر شاہ گدا حیران ہوا

اس حیرت میں حیرانی ہے ،یہی مشکل نا آسانی ہے
میری جان جتا سب جانی ہے، اس صورت میں سلطان ہوا

جس اس مئے دی ہے مخموری ،تس درجہ پایا منصوری
چل چوٹ چلاوے سر سوری، یہی درداں کا میدان ہوا

یہی یار بیٹھا گلزاری میں ،وہو سَیل کرے سنساری میں
اوئی باز چلے بازاری میں ، اوئی لاشک لا مکان ہوا

کس مذہب کی یہی راہ نہیں، وہو کس کوں آگاہ نہیں
بن کام فنا فی اللہ نہیں، یوں مرشد کا فرمان ہوا

ہو مرد آویں صف مرداں میں، سر سارا پاؤ کر میدان میں
آ گوئی ماریں اس چوگاں میں، اوئی دین اوئی ایمان ہوا

تو انا الحق کا نعرا کر ، وہو ناز کا آج نغارا کر
تب اپنا نور نظارا کر ، اب سولی کا سامان ہوا

او کتنے ڈینہہ گدائی میں ، وت ہوویں یار جدائی میں
ہن آویں خاص خدائی میں، اوئی سارا جگ سلطان ہوا

کب شمع ہو کب پروانہ ہوا، کب داماں ہو کب دانہ ہوا
کب دانا کب دیوانہ ہوا، ایھی برہے کا جو بیان ہوا

اس راہ میں شافی یار نہیں ، وہو حنفی کوں اعتبار نہیں
وہو حنبل خبردار نہیں ، اتھ مالک بھی مستان ہوا

اس بازی میں سر بازی ہے، سر ڈیون سرفرازی ہے
اہو عشق میں عرض نیازی ہے، جند جان کلی قربان

ہئے مرشد خواجہ عبدالحق، نہیں عبد ہوا ہے حق الحق
ہے دونوں جگ سوں لاتعلق، میرا پیر بحرِ عرفان ہوا

ہے نام کچھ کا ذاتی میں، وہو سارا جسم صفاتی میں
اوہ آئے چھپا دن راتی میں، وہو اِس اُس کا طوفان ہوا

غزل

اگر اپنا قدر جانو، سپہ سالار تم ہو گا
کیا اندر کیا باہر ، ہمہ اظہار تم ہو گا

عجب ہے بات باطن کی، بگوش دل کی تم سن کر
یقیں کے آءُ میداں میں، اصل اسرار تم ہو گا

گمان کر ٹوٹ آ ویکھن، دوئی کر دور وادی سے
جسی کی طلب کرتے ہو، اوئی تکرار تم ہو گا

اسی جگ موں جو مطلب کر، چلے منصور مستی سوں
تصدق سوں اناالحق کہ، اوئی دلدار تم ہوگا

سولی پہ وہ چلے حلاج، فارغ ہوا سو ہستی سوں
کمر بند انا احمہ کی ، نہ ڈر نروار تم ہو گا

کیا کیا کام سکندر جو، سارا ملک لے جاتا
پکڑ لے ملک دل کا تم، سکندر وار تم ہو گا

رموز یسمع و یبصر، تحقق میں صحی کرنا
عجب کیا جانتا نا ہیں، یکا یک یار تم ہو گا

تجھ کی ذات معلوم ہے، تجھ سچ ہے جو اوئی ہے
نہیں کوئی دوسرا دلبر، اوئی دلدار تم ہو گا

غزل

عشق کا شہباز معشوقاں ، میری طرف اڑایا ہے
عقل علم تے شرم حیا کوں، ایک طعمہ کر کھایا ہے

مرغ ادب کی تاب تسی کوں، لیکر آپ چھپایا ہے
مائی باپ نہ اس کا کوئی، نہیں کسی کا جایا ہے

عرش کرسی آرام نہ اس کو، خاک اوپر پاؤں پایا ہے
درد منداں کے دل پر آشیاں، عشق شہباز بنایا ہے

رہئی نہیں کائی طاقت جس تس، چنگل باز لگایا ہے
دونوں جگ ایک اسی کے پر کے، تجھ رے بھی چھپایا ہے

غزل

کس نوں میں کہ سناواں، میرا یار ہے خیالی
میرا حال پوچھتا نہیں، ہے اصل لاؤ بالی

آؤ سنوری سکھیاں، وہ واہ یار میرے
دلیاں کے لوٹنے کی، کیتی ہئی استعمالی

کجلیں اکھیں کوں دلبر، لالی کا رنگ لگایا
پیتا ہے پر پیالی، داروں نی پرتکالی

آیا نظر بسیہر مجھ کوں رے پیچا پیچی
گل پر لٹک رہی ہیں، ظالم کی زلف کالی

وہ عشق ناز سیتے، آتا ہے عاشقاں پر
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھ چست چالی

بیچارہ ایک نہیں میں، آشفتہ اس صنم کا
کتنے ہوئے ہیں حیراں، دیکھ حسن لایزالی

کب مہر سیتے آوے، کس دن میری گلی میں
دن رین در اسی کے، ہے سگ تجھ سوالی

غزل

ہاتھ پر لالی لگائی، آج کیا اسرار ہے
عاشقاں اب قتل ہوتا، رت سیتی تلوار ہے

ہاتھ میرے رت لگا تھا، عاشقاں کے قتل میں
تم بھی آؤ سر دیؤ، جب عشق تو اختیار ہے

سر تمنا چھوڑ میری، پاس آؤ یکبار سیں
ایک نگہ واصل کروں، میرا بھی اقرار ہے

ہو پتنگ تجھ پریم کا، پڑ حسن کی شمع میں
جیوں خلیل اللہ پر، اوئی آگ سا گلزار ہے

غزل

در هردو جهان شرار عشق است
زین شمس و قمر بهارِ عشق است
از کرسی و عرش تا ثریٰ هم
این جمله مرغزارِ عشق است
بینی بجهان چون خوبرویاں
دانی که همین نگارِ عشق است
جز یار دگر طرف نه بیند
آن دیده که پُر خمارِ عشق است
تاج سرِ ما ست "آشکارا"
آن خاک که رهگذارِ عشق است

غزل

می کشد عاشق براهش انتظار
بی شمار و بی شمار وبی شمار
کار عاشق روزو شب باشد همین
اشکبار و اشکبار و اشکبار
آن کسی کز خودو دهد مردِ خدا ست
شهسوار و شهسوار و شهسوار
مجلسِ غم داشتن عشاق را
گریه زار و گریه زار و گریه زار

می شود عاشق ز عشقش ومبدم
بی قرار و بی قرار و بی قرار
سرّ مخفی راز پنهان فاش شد
آشکار و آشکار و "آشکار"

غزل

می زنم نعره اناالحق آشکار
اندرین آخر زمان منصور وار
کوسِ منصوری بکوبم در جهان
گر رود، خوشترم باشد نثار
هر که محروم است از اسرارِ عشق
کی شود از عاشقانِ دلفگار
نوبت آن بادشاہی می زنم
شہریارم، شہریارم شہریار
سدّ سکندر بود این جسم و جان
بشکنی فتحت شود ای نامدار

غزل

می کنم از عشق در ہر کوچہ و بازار رقص
چونکہ می آید تن و جان را ازان اسرار رقص
از نوای چنگ و نے طنبور شیدا می شود
دم بدم شد زاہد در خواب در بیدار رقص

از وظائف از لطائف معرفت حاصل نه شد
روز و شب از در دو غم مشغول اندر کار رقص
گر بیائی سوی ما هشدار از خود می روی
اندرین میخانه چون مستان کنی یک بار رقص
وقت حالت نیست هر دم تا ندانم کے شود
''آشکارا'' ہم چون شہ منصور کن، بردارِ رقص

غزل

بزرگی، پارسائی را نہ دانم
عداوت آشنائی را نہ دانم
کہ گم گشتیم در دریای حیرت
ہمان جا چون چرائی را نہ دانم
چون رفتم از تن خاکی بیک باز
بہ بی خود، خود نمائی را نہ دانم
نگیرم راہ عشق و درد و غم را
ہمان زہد ریائی را نہ دانم
اگر چہ شعلہ نورش بہ بینم
سیاہ و روشنائی را نہ دانم
کجا رفتم ز خود رفتیم بارے
گدائی بادشائی را نہ دانم

کتابیات

۱۔ رسالو میاں سچل فقیر جو، مرزا علی قلی بیگ، محکمۂ ثقافت و سیاحت حکومت سندھ، ۲۰۰۸

۲۔ سچل سرمت جو سندھی کلام، عثمان علی انصاری، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، 1982ء

۳۔ سچل سرمست جو سرائیکی کلام، مولانا محمد صادق رانی پوری، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، 1982ء

۴۔ سچل سرمست، رشید لاشاری، سلطان حسین اینڈ سنز کراچی، 1966ء

۵۔ ''نیہں جانعرا'' ڈاکٹر عطا محمد حامی، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، 1992ء

۶۔ سچل سرمست، محبتوں کا پیامبر، ڈاکٹر طاہر تونسوی، سچل چیئر، شاہ لطیف یونیورسٹی، خیرپور، 2006ء

۷۔ سچل سرمست، شفقت تنویر مرزا، لوک ورثہ اشاعت گھر اسلام آباد 1987ء